رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ

اے میرے ربّ! یقیناً میں ہر اچھی چیز کے لئے، جو تُو میری طرف نازل کرے، ایک فقیر ہوں۔

ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

آبگینے

خواتین کا علمی، ادبی معاشرتی و مذہبی
سرگرمیوں کا عالمی مجلّہ

مُدِیرَہ

مدثرہ عباسی

انچارج گوشۂ ادب | انچارج بچوں کا گلستان / پکوان

حمیرا نگہت | عیشۃ الراضیہ عباسی

زیر انتظام عباسی اکیڈیمی

سرپرست اعلیٰ و مدیر اعلیٰ محی الدین عباسی

شمارہ جون جولائی 2021

جلد 2 شمارہ 11

شوال/ذی القعدہ/ذی الحجۃ

لندن سے شائع ہونے والا عالمی مجلّہ ماہنامہ آبگینے خواتین ڈائجسٹ

www.aabgeenei.com

هُـــــــوَ النـاصر
خدا تعالیٰ کے فضل ورحم کے ساتھ

ایک دل شیشہ کی مانند ہوا کرتا ہے ٹھیس لگ جائے ذراسی تو صدا کرتا ہے

آبگینے
ماہنامہ
خواتین ڈائجسٹ

خواتین کا علمی، ادبی، معاشرتی ومذہبی سرگرمیوں کا عالمی مجلّہ

جلد 2 شمارہ 11 – جون جولائی 2021 – شوال/ذی القعدہ/ذی الحجۃ

مدیرہ
مدثرہ عباسی

انچارج گوشۂ ادب
حمیرا نگہت

انچارج بچوں کا گلستان / پکوان
عیشۃ الراضیہ عباسی

اپنی تمام تحریریں اور قیمتی آراء درج ذیل ای میل پر بھجوائیں

aabgeene6@gmail.com
m.abbasi.uk@gmail.com

www.aabgeenei.com

لندن سے جاری ہونے والا

ماہنامہ آبگینے آپ کا اپنا رسالہ ہے اسکی اشاعت وترویج میں بھرپور حصہ ڈا لیئے

فہرست مضامین

درس القرآن	3
اداریہ	4
اُمّ المؤمنین حضرت ماریہ قبطیہؓ پہلی قسط	6
ایک نصیحت فرقان حمید سے	10
انسان کے ذمہ تین طرح کے حقوق ہیں	12
خیرکم من تعلم القرآن وعلمه	13
متقیوں کی سی صورت بھی آفات سے حفاظت کا ذریعہ ہے	15
اصحاب الرَّسِّ	16
کلام الٰہی کے سمجھنے کے اصول	17
پہلا عالمی خواتین آن لائن آبگینے مشاعرہ	18
ظاہری حسن	21
میں نے اکثر تجھے اس طرح چاہا جاناں	22
مصر کی ایک معلمہ کا ایک سبق آموز واقعہ	23
شکریہ ساسوماں	24
کالا رنگ	25
لکھنؤ سے آئی نظمیں آخری قسط	26
اردو زبان جو ملک میں اجنبی ہوتی جارہی ہے	29
تقسیم کی تربیت	30
تاریخ کے آئینے میں	31
ہماری حیات ابُو کی یادیں	32
قوم کے لئے لمحہ فکریہ ایسے اللہ والوں سے اللہ بچائے	33
مختلف ادوار میں ادیب کی بدلتی ہوئی سماجی حیثیت	35
ستاری پردہ پوشی	36
تاریخ کے جھروکوں سے	37
ہیر رانجھا۔کیا حقیقت کیا افسانہ	38
راز حقیقت	39
برطانیہ میں بچوں کی ایسی بیماری کا مفت علاج	40
گھنجل	42
نرم لہجے کامیابی کا ذریعہ ہوتے ہیں	43
فائبر صحت بخش غذا	44
گڑ جنوبی ایشیا کا مقبول میٹھا بھی اور علاج بھی	45
تندوری مرغ کی کہانی	47
مدیرہ کی ڈاک	48
آئیں اردو سیکھیں	50
شعروشاعری	5-9-11-17-25-28 34-36-37-41-46

زیر انتظام عباسی اکیڈیمی

سرپرست اعلیٰ ومدیر اعلیٰ محی الدین عباسی

درس قرآن کریم

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ (سورۃ الحج آیت 79،78)

ترجمہ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے ربّ کی عبادت کرو اور اچھے کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

اور اللہ کے تعلق میں جہاد کرو جیسا کہ اس کے جہاد کا حق ہے۔ اس نے تمہیں چن لیا ہے اور تم پر دین کے معاملات میں کوئی تنگی نہیں ڈالی۔ یہی تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب تھا۔ اُس (یعنی اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا (اس سے) پہلے بھی اور اس (قرآن) میں بھی تاکہ رسول تم سب پر نگران ہو جائے اور تاکہ تم تمام انسانوں پر نگران ہو جاؤ۔ پس نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ وہی تمہارا آقا ہے۔ پس کیا ہی اچھا آقا اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

(اُردو ترجمۃ القرآن صفحہ 574، 575)

تفسیر

اس آیت میں پہلی غور طلب بات یہ ہے کہ لفظ ''مسلم'' پر کسی کی اجارہ داری نہیں۔ اسلام کے ظہور سے بہت پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو اور آپ کی قوم کو مسلم قرار دیا تھا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مسلمانوں پر شہید یعنی نگران ہونے کا ذکر ہے اور مسلمانوں کا باقی دوسری قوموں پر شہید ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ جن معنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت میں شہید تھے۔ بعینہ آپ کی پیروی میں مسلمان دوسروں پر شہید ہیں۔ لیکن شہید ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں کو زبردستی اپنی پسند کا مسلمان بنایا جائے کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید ہوتے ہوئے بھی کبھی جارحانہ جنگ نہیں لڑی نہ ہی کسی کو زبردستی مسلمان بنایا۔

جہاد کے معنی: جد و جہد کرنا

اسی آیت میں جہاد بالسیف کے مضمون پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ صرف ان لوگوں کو اپنے دفاع میں جہاد بالسیف کی اجازت دی جا رہی ہے جن پر ان سے پہلے دشمن کی طرف سے تلوار اٹھائی گئی اور ان کو اپنے گھروں سے نکال دیا گیا۔ محض اس لیے کہ وہ یہ اعلان کرتے تھے کہ اللہ ربّ ہے۔ اس کے بعد یہ عظیم الشان مضمون بھی بیان فرمایا گیا کہ اگر دفاع کی اجازت نہ دی جاتی تو صرف مسلمانوں کی مسجدیں ہی منہدم نہ کر دی جاتیں بلکہ یہود اور عیسائیوں وغیرہ کے معابد اور خانقاہوں کو بھی برباد کر دیا جاتا۔

(قرآن کریم اردو ترجمہ صفحہ 575-560)

علاوہ ازیں مجاہد وہ انسان ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کر رہا ہے یعنی مؤمن اور وہ اس میدان میں نیکی کے کام کر رہا ہے ہر نیک کام کرنا جہاد ہے۔ اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا صحیح ہجرت کرنا یہ بھی جہاد ہے۔

اسی سورت کی آخری آیت میں اللہ کی راہ میں وہ جہاد کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے جس کی وضاحت اس سے پہلے فرما دی گئی ہے اور یہ بھی فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو اللہ تعالیٰ نے ہی مسلم قرار دیا ہے۔ سب سے بہتر جانتا ہے کہ اس کے سامنے کون کلیۃً سر تسلیم خم کرتا ہے۔

آخر پر اس اعلان کا اعادہ فرمایا گیا کہ یہ رسول یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عالمی رسول ہیں۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں جہاد کے لیے جا سکتی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کے لیے حج کرنا بہترین عمل ہے جہاد کی بجائے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ بہترین جہاد ظالم حکمران کے خلاف بات کرنا ہے اور اپنے والدین کی خدمت کرنا بھی بہترین جہاد ہے۔

(اُردو ترجمۃ القران کریم صفحہ 560)

❁❁❁

اداریہ

تقویٰ کے حصول

مدثرہ عباسی
مدیرہ

سنو! ہے حاصلِ اسلام تقویٰ　　　خدا کا عِشق مَے اور جام تقویٰ

سب سے پہلے تو یہ جاننا ضروری ہے کہ تقویٰ کیا ہے؟

تقویٰ کے بہت سے اجزاء ہیں۔ عُجب، خود پسندی، مالِ حرام سے پرہیز اور بد اخلاقی سے بچنا بھی تقویٰ ہے۔ جو شخص اچھے اخلاق کا اظہار کرتا ہے اس کے دشمن بھی دوست ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔ (المومن:97) (فرمایا ایک تو یہ کہ برائیوں سے بچنا یہ تقویٰ ہے۔ اچھے اخلاق کا اظہار کرنا یہ تقویٰ ہے جس سے دشمن بھی دوست ہوجاتا ہے۔ تقویٰ کا اعلیٰ معیار حاصل کرنے کے لئے سب سے زیادہ اہم یہ ہے کہ خدا کی پہچان ہوجائے اور ہم خدا شناس ہوجائیں۔

اور پھر سوال آتا ہے کہ تقویٰ کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ایمان کی حالت اُس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ خدا تعالیٰ کی پہچان نہ ہو۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ بھاری مرحلہ جو ہم نے طے کرنا ہے وہ خدا شناسی ہے۔ اس کو پہچاننا ہے اور اگر ہماری خدا شناسی ہی ناقص اور مشتبہ اور دھندلی ہے تو ہمارا ایمان ہرگز منور اور چمکیلا نہیں ہوسکتا۔

خدا شناسی کس طرح ہو گی؟

یہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحیمیت کے جلوے سے ہو گی۔ خدا کی پہچان اللہ تعالیٰ کی جو صفت رحیمیت کی ہے اس کے ظاہر ہونے سے ہوتی ہے۔ ایسا تعلق خدا تعالیٰ سے پیدا کرنے سے ہو گی جس میں خدا تعالیٰ کی رحیمیت اور فضل اور قدرت کی صفات ہمارے تجربے میں آئیں گی۔ اور یہ باتیں اس وقت تجربے میں آسکتی ہیں جب خدا کی عبادت اور اس سے تعلق کا غیر معمولی اظہار ہو رہا ہو۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحیمیت اور فضل اور قدرت کی صفات جب تجربے میں آتی ہیں تو پھر وہ نفسانی جذبات سے چھڑاتی ہیں اور نفسانی جذبات کمزوریٔ ایمان اور کمزوریٔ یقین کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر ایمان کمزور نہ ہو، اللہ تعالیٰ پر یقین کامل ہو تو نفسانی جذبات پیدا نہیں ہوتے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس دنیا کی آسائشیں، اس کی املاک، اس کی دولتیں جس قدر انسان کو پیاری ہیں اتنی اخروی زندگی کی نعمتیں اسے پیاری نہیں۔

(ماخوذ از ایام الصلح۔ روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 245-244)

عجب گوہر ہے جس کا نام تقویٰ　　　مبارک وہ ہے جس کا کام تقویٰ

پھر آپؑ فرماتے ہیں: ''ان باتوں کو نہایت توجہ سے سننا چاہئے۔ اکثر آدمیوں کو مَیں نے دیکھا اور غور سے مطالعہ کیا ہے کہ بعض سخاوت تو کرتے ہیں'' (بڑے سخی ہیں۔ لوگوں کو دیتے بھی ہیں) ''لیکن ساتھ ہی غصہ وَر اور زُود رنج (بھی ہوتے) ہیں''۔ (غصہ میں فوراً آجاتے ہیں) ''بعض حلیم تو ہیں لیکن بخیل ہیں''۔ (بڑے حلیم ہیں، نرم مزاج ہیں لیکن کنجوس ہیں) ''بعض غضب اور طیش کی حالت میں ڈنڈے مار مار کر گھائل کر دیتے ہیں مگر تواضع اور انکسار نام کو نہیں۔ بعض کو دیکھا ہے کہ تواضع اور انکسار تو اُن میں پرلے درجہ کا ہے مگر شجاعت نہیں ہے''۔ (یا تو غصہ میں آگئے تو انکساری اور عاجزی کوئی نہیں۔ اگر انکساری اور عاجزی دکھائیں گے تو پھر جہاں بہادری کی ضرورت ہے وہ خُلق ان میں ختم ہوجاتا ہے پھر آنحضرت ﷺ کے اخلاق کے بارے میں آپؑ فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی شان میں فرمایا کہ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ اور زندگی کے ہر میدان میں آپ نے اپنے خُلق کے وہ نمونے قائم کر دیئے جو اپنی مثال آپ ہیں اور جن پر اپنی طاقت اور بساط کے مطابق چلنا ہر مومن کا فرض ہے۔

آنحضرت ﷺ کے بارے میں آپؑ نے فرمایا کہ ''ایک وقت ہے کہ آپؐ فصاحت بیانی سے ایک گروہ کو تقریر کی صورت حیران کر رہے ہیں۔'' ایسی تقریر اور ایسی فصاحت بیانی ہے کہ بڑا مجمع جو ہے وہ متاثر ہوجاتا ہے۔ ''ایک وقت آتا ہے کہ تیر و تلوار کے میدان میں بڑھ کر شجاعت دکھاتے ہیں۔ سخاوت پر آتے ہیں تو سونے کے پہاڑ بخشتے ہیں۔ حلم میں اپنی شان دکھاتے ہیں تو واجب القتل کو چھوڑ دیتے ہیں۔ الغرض رسول اللہ ﷺ کا بے نظیر اور کامل نمونہ ہے جو خدا تعالیٰ نے دکھا دیا ہے''۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''اس کی مثال ایک بڑے عظیم الشان درخت کی ہے جس کے سائے میں بیٹھ کر انسان اس کے ہر جزو سے اپنی ضرورتوں کو پورا کر لے۔ اُس کا پھل، اُس کا پھول، اُس کی چھال، اس کے پتّے غرض کہ ہر چیز مفید ہو''۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 132 تا 134۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان) پھر آپؑ آنحضرت ﷺ کے خُلق کے بارے میں مزید فرماتے ہیں کہ ''لڑائی میں سب سے بہادر وہ سمجھا جاتا تھا جو آنحضرت ﷺ کے پاس ہوتا تھا کیونکہ آپؐ بڑے خطرناک مقام میں ہوتے تھے۔ سبحان اللہ کیا شان ہے''۔ فرماتے ہیں کہ ''ایک وقت آتا ہے کہ آپؐ کے پاس اس قدر بھیڑ بکریاں تھیں کہ قیصر و کسریٰ کے پاس بھی نہ ہوں۔ آپؐ نے وہ سب ایک سائل کو بخش دیں۔'' (خُلق کا یہ اظہار ہے۔) ''اب اگر پاس نہ ہوتا تو کیا بخشتے؟'' (پھر ایک اَور رنگ ہے) ''اگر حکومت کا رنگ نہ ہوتا تو یہ کیونکر ثابت ہوتا کہ آپ واجب القتل کفّار مکّہ کو باوجود مقتدرتِ انتقام کے بخش سکتے ہیں۔'' (قدرت رکھتے ہیں، طاقت ہے اس کے باوجود بخش دیا) ''جنہوں نے صحابہ کرامؓ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمان عورتوں کو سخت سے سخت اذیتیں اور تکلیفیں دی تھیں جب وہ سامنے آئے تو

آپ نے فرمایا۔ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ میں نے آج تم کو بخش دیا۔ اگر ایسا موقع نہ ملتا تو ایسے اخلاق فاضلہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کیونکر ظاہر ہوتے''۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''کوئی ایسا خُلق بتلاؤ جو آپؐ میں نہ ہو اور پھر بدرجہ غایت کامل طور پر نہ ہو''۔ (ملفوظات جلد اوّل صفحہ 132 تا 134۔ ایڈیشن 1985ء مطبوعہ انگلستان)

پس یہ وہ کامل نمونے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس رسول کے اُسوہ کی تم بھی حتّی الوسع، اپنی طاقت اور اپنی استعدادوں کے مطابق پیروی کرو تو ہمیں سنّت کی پیروی کرنے کے لئے کوشش کرنی ہوگی۔ ایک جدوجہد کرنی ہوگی۔ صرف یہ کہہ دینا کہ اس اُسوہ پر ہم کس طرح چل سکتے ہیں؟ یہ کافی نہیں ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول کے وہ اخلاقِ فاضلہ ہیں جو ہمارے لئے ایک اعلیٰ نمونہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی تم نے پیروی کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنانے کا حکم دیا ہے تو پھر اس کے لئے کوشش اور مجاہدے کی ضرورت ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

''تقویٰ کا مرحلہ بڑا مشکل ہے۔ اُسے وہی طے کرسکتا ہے جو بالکل خدا تعالیٰ کی مرضی پر چلے۔ جو وہ چاہے وہ کرے۔ اپنی مرضی نہ کرے۔ بناوٹ سے کوئی حاصل کرنا چاہے تو ہرگز نہ ہوگا۔'' (تقویٰ ایسی چیز نہیں کہ بناوٹ سے حاصل ہو جائے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا) ''اس لیے خدا کے فضل کی ضرورت ہے اور وہ اسی طرح سے ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو دعا کرے اور ایک طرف کوشش کرتا رہے۔ خدا تعالیٰ نے دعا اور کوشش دونوں کی تاکید فرمائی ہے''۔

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 492۔ ایڈیشن 2003ء مطبوعہ ربوہ)

پس یہ وہ اصولی بات ہے جو ہمیشہ ہمیں پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اپنے ہر عمل کو تقویٰ کے تابع کرتے ہوئے اچھے اخلاق کا مظاہرہ ہو۔ حضرت مصلح موعودؓ کے اس دعائیہ شعر پر ختم کرتی ہوں:۔

اے خدا دل کو مرے مَزرَعِ تقویٰ کر دیں ہوں اگر بد بھی تو تو بھی مجھے اچھا کر دیں

❁❁❁

غزل

بشارت سکھی

نگاہ و قلب کی وہ تشنگی بڑھاتے ہوئے
دیار روح میں آیا تھا مسکراتے ہوئے
گلوں پہ اتری شفق پھر نئے سویرے کی
کہ پتیوں کا بدن ہائے گدگداتے ہوئے
اجالے آئینوں کا تھے طواف کرنے لگے
عکس یار کو دامن میں اب چھپاتے ہوئے
وہ جا چکا ہے مگر جابجا وہ ہے مجھ میں
کہ میری سانسوں کے سب تار جھنجھناتے ہوئے
جلا نہ ڈالے خزاں کی تپش درختوں کو
پرندے ڈرنے لگے گھونسلہ بناتے ہوئے
جدائیوں کے سفر میں تھے غمزدہ دونوں
کہ مسکراہٹوں میں آنکھ نم چھپاتے ہوئے
لپٹ کے روئے تھے کچھ زرد پتے شاخوں سے
ادھوری خواہشوں کی تتلیاں اڑاتے ہوئے
سکوں یہ کیسا مری روح میں اترنے لگا
دیار درد سے اب رابطے نبھاتے ہوئے
دیا جو وقت نے موقع تو پھر ملیں گے سکھی
وہ ہم کو چھوڑ گیا ہاتھ کو ہلاتے ہوئے

❁❁❁

ضروری اعلان

ادارہ کے مالی حالات کے پیش نظر اور اس کو جاری رکھنے اور مزید ترقی دینے کی خاطر ''ماہنامہ لاہور انٹرنیشنل'' اور خواتین ڈائجسٹ ''آبگینے'' ملا ہور رسالہ دو زبانوں اردو اور انگریزی میں لندن سے شائع ہوتے ہیں۔ ان تینوں رسالوں کو ادارہ اپنی ذاتی مالی حیثیت کے مطابق کئی سالوں سے جاری رکھے ہوئے ہے۔ دنیا کے تمام قارئین کیلئے یہ معیاری اور پسندیدہ رسالے ہیں۔ ان کا خاص مقصد معاشرے کی بہتر اصلاح، سچی کھری صحافت اور اسلام کی ترقی کے لئے یہ ایک تبلیغی کوشش ہے۔

یاد رہے ایسے اخبارات اور رسائل کو جاری رکھنے کے لیے ایک بڑا ادارہ یا بزنس مین یا اشتہارات کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمیں میسر نہیں۔

آپ تمام سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اس کی ماہانہ مالی مدد فرما کر اس کار خیر میں اپنا حصہ ڈالئے۔ آپ کی یہ معمولی رقم ہماری ہمت افزائی اور ترقی کا باعث ہوگی۔ آپ اپنی رقم درج ذیل بینک میں جمع کروا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ آمین

Bank Name:
Lloyds Bank PLC
Account Name:
Lahore International LTD
Account Number:
42534160
Sort Code:
30-96-26
IBAN:
GB89 LOYD 3096 2642 5341 60

اُمّ المؤمنین
حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

پہلی قسط

فضائل

حضرت ماریہؓ کا تعلق اس شاہ مصر کے خاندان سے تھا جس نے رسول اللہ ﷺ کے دعویٰ کی تصدیق کرتے ہوئے مکتوب نبویؐ کو اپنے سینے سے لگایا اور اسے چوم کر ہاتھی دانت کی ڈبیہ میں محفوظ کروایا، اور رسول اللہ ﷺ کو قیمتی تحائف کے ساتھ شاہی خاندان کی دو لڑکیاں بھی بھجوائیں جن میں سے ایک حضرت ماریہؓ تھیں...

حضرت ماریہؓ جب صاحبزادہ ابراہیمؑ سے حاملہ ہوئیں تو جبریلؑ نے رسول اللہؐ سے کہا "اے ابو ابراہیم! آپ پر سلام ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ماریہؓ سے ایک لڑکا عطا کرنے والا ہے اور ارشاد ہے کہ آپؐ اس کا نام ابراہیم رکھیں۔"

پھر صاحبزادہ ابراہیمؑ ماریہؓ کے بطن سے پیدا ہوئے جن کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "اگر ابراہیم زندہ رہتا تو سچا نبی ہوتا۔"

نام ونسب

حضرت ماریہؓ قبطیہ شاہِ مصر مقوقس کی قبطی قوم سے تھیں۔ آپؓ کے والد کا نام شمعون تھا، والدہ رومی نژاد خاتون تھیں۔ آپ کی پیدائش مصر کے علاقہ اَنصا یا اَنصنا کی بستی حفن میں ہوئی۔

مؤرخ ابن سعد نے حضرت ماریہؓ کو قدیم مصری باشندوں کی نسبت سے قبطی جبکہ علامہ بلاذری نے انہیں رومیہ یعنی بحیرۂ روم کے شمال میں رہنے والی قوم سے قرار دیا ہے۔ تاہم دونوں مؤرخوں نے ان کا جو حلیہ لکھا ہے یعنی سفید رنگ اور گھنگھریالے بال۔ اس سے ان کا مصری ہونا زیادہ قرین قیاس ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں والیٔ اسکندریہ اور شاہ مصر جریج بن میناء تھا، جس کا رومی لقب "بطریق" (Patri-arch) تھا۔ عرب اسے "مقوقس" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد 6ھ میں اس نے رسول اللہ ﷺ کے تبلیغی خط سے متاثر ہو کر آپؐ کے قاصد کی واپسی پر جو تحائف ساتھ بھجوائے ان میں اس کے خاندان کی دو لڑکیاں بھی تھیں۔ ان میں سے حضرت ماریہؓ سے رسول اللہ ﷺ نے خود عقد فرمایا۔

حضرت خدیجہؓ کے بعد جس حرم سے رسول اللہ ﷺ کی اولاد ہوئی وہ حضرت ماریہؓ تھیں۔ 8ھ میں ابراہیمؑ ان کے بطن سے پیدا ہوئے۔ جس پر ان کی کنیت امّ ابراہیم اور (ابوالقاسم کے ساتھ) رسول اللہ ﷺ کی دوسری الہامی کنیت ابو ابراہیم ہوئی۔ اگرچہ صاحبزادہ ابراہیمؑ کم سنی میں وفات پا گئے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے اہلِ مصر کے ساتھ اپنے بیٹے کے ننھیالی تعلق کو ہمیشہ احسان اور وفا کے جذبات کے ساتھ یاد رکھا۔

رسول کریمؐ نے اہل مصر کے بارہ میں مسلمانوں کو ہدایت فرمائی: إذا ملكتم القبط فأحسنوا إليهم فإن لهم ذمة وإن لهم رحما يعني أم إسماعيل انها كانت منهم یعنی جب تم مصریوں پر غالب آؤ تو ان سے حسن سلوک کرنا کیونکہ ان کے ساتھ ایک تو "ذمہ" کا تعلق ہے دوسرے "رحم" کا۔ کیونکہ حضرت اسماعیل کی والدہ (ہاجرہ) بھی انہیں (اہل مصر) میں سے تھیں۔ "ذمہ" کے معنی عہد، پناہ اور امان کے ہوتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں انت فی ذمۃ اللہ یعنی تم اللہ کی پناہ میں ہو۔ تاریخ سے بظاہر تو رسول اللہ ﷺ کا اس زمانہ میں اہلِ مصر سے کوئی معاہدہ ثابت نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے تبلیغی خط کے جواب میں شاہِ مصر کا مثبت ردّعمل دیکھ کر اہل مصر سے حسن سلوک کی وصیت کرتے ہوئے انہیں امان عطا فرمائی اور اسے "ذمہ" کے حق سے یاد فرمایا ہے۔

شاہ مصر کو دعوتِ اسلام اور اس کا ردّعمل

رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد مختلف سربراہانِ مملکت کو تبلیغی خطوط بھجوائے۔ ذوالقعدہ 6ھ میں آپؐ نے اپنے صحابی حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کے ہاتھ مقوقس شاہ مصر کو خط بھجوایا۔ آنحضور ﷺ کا یہ کسی بادشاہ کی طرف چوتھا خط تھا جس میں اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ بسم اللہ کے بعد اس میں تحریر تھا:

"محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی طرف سے مقوقس حاکم اہلِ مصر کے نام۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت قبول کرے۔ اس کے بعد میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، تم اسلام قبول کرلو، امن میں آجاؤ گے اور مسلمان ہوجانے سے اللہ تعالیٰ تمہیں دوہرا اجر عطا کریگا۔ اگر تم نے اعراض کیا تو اہل مصر کا گناہ بھی تم پر ہوگا"

ایسا ہی خط رسول اللہؐ نے کسریٰ شاہ ایران کو بھی بھیجا تھا۔ مگر اس نے رسول اللہ ﷺ کا خط چاک کر دیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اسکی حکومت ٹوٹ جانے کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ مگر شاہِ مصر کا ردّعمل شاہِ ایران سے یکسر مختلف تھا۔ شاہ مصر مقوقس نے آپؐ کے مکتوب مبارک کو سینہ سے لگایا اور کہا کہ اس زمانہ میں ایک نبی نے ظاہر ہونا تھا جس کا ذکر ہم اللہ کی کتاب میں پاتے ہیں مگر میرا خیال تھا کہ وہ شام سے ظاہر ہوگا۔ پھر اس نے مکتوب نبویؐ کا احترام کرتے ہوئے ہاتھی دانت کی ڈبیہ میں رکھ کر اسے محفوظ کروایا۔ رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھ کر اور آپؐ کے قاصد حاطبؓ بن ابی بلتعہ کی تبلیغ سن کر وہ حقیقت کو پہچان گیا تھا۔ اور آپؐ کے قاصد سے کہا کہ تم ایک دانا انسان ہو، جو ایک دانا شخص کے سفیر بن کر آئے ہو۔ میں نے ان کی تعلیم میں اعتدال پایا ہے وہ ہرگز گمراہ جادوگر یا کاہن نہیں۔ اور میں اس معاملہ میں مزید غور کروں گا۔

اس نے اس آنے والے نبی کی ایک خاص نشانی کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اسکی علامتوں میں ہم یہ بھی پاتے ہیں کہ وہ دو بہنوں کو (اپنے حرم میں) اکٹھا نہیں کرے گا۔ پھر اس نے اپنے جوابی خط میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ بھی لکھا کہ میں آپؐ کے سفیر کے ساتھ عزت سے پیش آیا ہوں اور اس کے ساتھ دو لڑکیاں (بہنیں) بھجوا رہا ہوں جنہیں قبطی قوم میں بڑا درجہ حاصل ہے۔

یہ دونوں لڑکیاں آپس میں بہنیں تھیں، بعید نہیں کہ ان بہنوں کے حضورؐ کی خدمت میں بھجوانے کی ایک غرض مذکورہ علامتِ نبوت کی جانچ بھی ہو۔ پس شاہِ مصر اگرچہ اپنی حکومت کے چھن جانے کے ڈر سے اسلام تو قبول نہ کرسکا۔ مگر اس نے رسول اللہ ﷺ کی شان وعظمت محسوس کر کے آپؐ سے سفارتی تعلقات استوار کرنے ضروری سمجھے اور آپؐ کی خدمت میں تحائف بھی بھجوائے۔ جن میں کچھ پارچات، زیور اور ایک سلیٹی رنگ کا خچر دُلدل نامی بھی شامل تھا۔ مزید برآں اپنے خاندان کی دو معزز لڑکیاں بغرض رشتہ بھجوانا اس زمانہ کے دستور کے مطابق تعلقات مضبوط کرنے کی خاطر بھی تھا۔ لڑکیوں کے ساتھ ان کے عمر رسیدہ بھائی یا چچا زاد مابور نامی بھی تھے، جنہوں نے مدینہ آ کر اسلام قبول کرلیا۔ بعض روایات کے مطابق یہ لڑکیاں (جو پہلے عیسائی تھیں) دوران سفر حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ کی تبلیغ اور نمونہ سے متاثر ہو کر مسلمان ہوگئی تھیں۔ الغرض ان دو بہنوں کو خدمتِ اقدس میں بھجوانے سے شاہِ مصر کے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رشتہ مصاہرت کرنے اور آپؐ کی سچائی کی اس علامت سے جانچنے کا عندیہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ (نبی) دو بہنوں کو اکٹھا نہیں کرے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں بہنوں میں سے حضرت ماریہؓ کو اپنے حرم میں داخل کیا اور دوسری بہن سیرین کا رشتہ حضرت حسانؓ بن ثابت سے کروا کر جہاں اسلامی اخوت کی عظیم الشان مثال قائم فرمائی۔ وہاں قرآنی حکم کے مطابق مقوقس کی بیان کردہ نشانی کی بھی تصدیق فرمادی۔ کیونکہ اسلامی شریعت کے مطابق ایک شخص کا دو بہنوں کو عقد میں جمع کرنا حرام ہے۔ (النساء:6)

حضرت ماریہؓ رسول اللہ ﷺ کے حرم میں

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ماریہؓ کو اپنے حرم میں شامل کر کے انہیں باقاعدہ پردہ کروایا اور نو مسلم ہونے کے باعث ابتدائی دنوں میں خصوصیت سے ان کی تعلیم و تربیت پر توجہ فرمائی۔ اس بارہ میں حضرت عائشہؓ کی ایک روایت ہے کہ ”اس وجہ سے مجھے سب سے زیادہ غیرت ماریہ پر آتی تھی۔ وہ گھنگھریالے بالوں والی ایک خوبصورت خاتون تھیں۔ اور رسول اللہ ﷺ کو بہت عزیز بھی تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں پہلے پہل ہمارے پڑوس میں ہی حضرت حارثہؓ بن نعمان کے گھر پر رکھا۔ آپؐ شروع کے دنوں میں وہاں کثرت سے تشریف لے جاتے رہے۔ پھر انہیں نواح مدینہ میں کھجور کے ایک باغ میں ٹھہرایا۔ جہاں حضور ﷺ گاہے بگاہے تشریف لے جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اس سے اولاد بھی عطا کی اور ہم اس سے محروم رہیں۔“

حضرت عائشہؓ کی اس روایت میں حضرت ماریہ کے ہاں کثرت سے جانے اور انہیں زیادہ وقت دینے کا پہلو محلّ نظر ہے۔ خصوصاً جبکہ خود حضرت عائشہ کی ہی روایت ہے کہ ”رسول کریمؐ اپنی بیویوں کے مابین اخراجات اور وقت کی تقسیم میں برابری اور عدل سے کام لیتے تھے۔“ اسی طرح اپنے بھانجے عروہ کو حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ رسول کریمؐ وقت وغیرہ کی تقسیم میں ہم بیویوں میں سے کسی کو کسی پر فضیلت نہ دیتے تھے اور کم ہی کوئی دن ہوتا تھا جب آپؐ ہم سب کے گھروں میں چکر نہ لگائیں۔ اس کے بعد اس بیوی کے گھر تشریف لے جاتے تھے جہاں باری ہوتی تھی۔ حتّٰی کہ سفر میں کسی بیوی کو ہمراہ لے جانا ہوتا تو قرعہ اندازی سے فیصلہ فرماتے۔ اس تناظر میں ابن سعد کی مذکورہ روایت کے مطابق ابتدائی دنوں میں حضرت ماریہؓ کو زیادہ وقت دینے کی بات بلا توجیہہ قبول نہیں کی جاسکتی۔ خصوصاً جبکہ ایک اور روایت میں حضرت ماریہؓ اور حضرت ریحانہؓ کو دیگر ازواج کے ساتھ دو دن کے مقابل پر ایک دن یعنی نصف باری دینے کا ذکر ہے۔ اگرچہ اس روایت میں بھی جو وجہ بیان ہوئی ہے وہ اپنی جگہ محلّ نظر ہے کہ بوجہ لونڈی ان کو نصف باری ملتی ہے۔ اس کے مقابل یہ توجیہہ عقلی و نقلی لحاظ سے زیادہ قابل قبول ہوسکتی ہے کہ رسول اللہؐ کو حسب حالات و ضرورت باریوں میں کمی بیشی کا اختیار تھا۔ جیسا کہ ارشاد ربّانی ہے تُرۡجِیۡ مَنۡ تَشَآءُ مِنۡهُنَّ وَتُـٔۡوِیۡۤ اِلَیۡكَ مَنۡ تَشَآءُ (الاحزاب:52) یعنی تو اُن (بیویوں) میں سے جنہیں چاہے چھوڑ دے اور جنہیں چاہے اپنے پاس رکھ، گویا بعض مصالح کے تحت آپؐ کو ازواج کی باریوں میں کمی بیشی یا ردّو بدل کا اختیار تھا جسے حتّی الوسع آپؐ نے استعمال نہیں فرمایا تاہم عین ممکن ہے کہ شادی کے شروع دنوں میں حضرت ماریہ کے عیسائیت سے مسلمان ہونے پر تربیت کی خاطر کچھ زائد وقت دیا بھی تھا تو بعد میں انہیں چند روز نصف وقت دے کر برابر کر دیا ہو۔ یہ توجیہہ اس لیے بھی قرینِ قیاس ہے کہ حضرت امّ سلمہؓ سے شادی کے موقع پر بھی حضورؐ نے انہیں اختیار دیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو میں تین یا سات دن آپ کے پاس قیام کرسکتا ہوں۔ مگر پھر اتنے ہی دن ہر بیوی کو اسکی باری میں دینے کے بعد آپ کی باری آئیگی۔

ابن النجار کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے بعد میں وہ باغ جس کے بالاخانہ میں وہ قیام فرما رہیں۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ کو عطا فرما دیا تھا۔ یہ بالاخانہ آج بھی مشربہ امّ ابراہیمؑ کے نام سے معروف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ صحبت اور اعلیٰ تربیت کی برکت سے حضرت ماریہؓ نے امّ المومنین کا بلند مقام پایا۔ حضرت مولانا حکیم نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل نے 1910ء میں سورۃ احزاب کی آیت تطہیر کا درس دیتے ہوئے اہل بیتِ رسولؐ کو رِجس سے پاک کرنے کی وضاحت میں اسلام قبول کرنے والی بیویوں میں حضرت ماریہؓ کا بھی ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ عیسائیوں سے مسلمان ہوئیں اور نبیؐ پاک کی صحبت میں پاک ہوئیں۔

رسول اللہ ﷺ کا شروع کے دنوں میں حضرت ماریہؓ کے ہاں کثرت سے جانا بھی دینی تعلیم وتربیت کے علاوہ غریب الوطنی میں انکی اجنبیت دور کرنے کے باعث بھی ہوسکتا ہے۔نیز صاحبزادہ ابراہیمؓ کے ایام حمل میں بھی وہ خصوصی توجہ چاہتی ہونگی۔خصوصاً جب کہ ان کے بطن سے آپؐ کو ایک بیٹے کی ولادت کی بشارت دی گئی تھی۔جیسا کہ روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت دی ہے کہ اس (ماریہ) کے بطن سے ایک لڑکا عطا ہوگا جو میری شباہت پر ہوگا۔مجھے اس کا نام ابراہیم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور میری کنیت ابوابراہیم رکھی ہے۔اگر مجھے اپنی کنیت بدلنی ناپسند نہ ہوتی تو میں ابوابراہیم کی کنیت اختیار کرلیتا،جس طرح جبریلؑ نے مجھے پکارا ہے۔"

صاحبزادہ ابراہیمؓ کی ولادت

حضرت ماریہؓ جب صاحبزادہ ابراہیمؓ سے حاملہ ہوئیں تو جبریلؑ نے آکر کہا "اے ابو ابراہیم! آپؐ پر سلام ہو۔اللہ تعالیٰ آپؐ کو ماریہؓ سے ایک لڑکا عطا کرنے والا ہے اور ارشاد ہے کہ آپؐ اس کا نام ابراہیم رکھیں۔اللہ تعالیٰ آپؐ کو یہ بیٹا مبارک کرے اور دنیا وآخرت میں اسے آپؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ بنائے۔

دوسری روایت میں ہے کہ جبریلؑ نے رسول اللہ ﷺ سے آکر کہا "اے ابو ابراہیم! آپؐ پر سلام ہو تو آپؐ نے فرمایا ہاں میں ابوابراہیم بھی ہوں اور ابراہیمؑ کا بیٹا بھی ہوں اور اسی کے نام سے ہم پہچانے جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ (الحج:79) یہی تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب تھا۔اُس (یعنی اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا"

ذوالحجہ 8ھ میں حضرت ماریہؓ کے بطن سے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ تولد ہوئے۔حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ان کی ولادت سے اگلے روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "آج رات مجھے اللہ تعالیٰ نے لڑکا دیا ہے جس کا نام میں نے اپنے باپ کے نام پر ابراہیم رکھا ہے"

صاحبزادہ ابراہیمؓ کی دایہ رسول اللہ ﷺ کی آزاد کردہ لونڈی حضرت سلمیٰؓ تھیں۔ان کے شوہر حضرت ابو رافعؓ نے ہی آکر رسول اللہ ﷺ کو صاحبزادہ ابراہیمؓ کی ولادت کی خوشخبری سنائی تھی۔رسول اللہ ﷺ نے خوش ہوکر انہیں ایک خادم بطور انعام عطا فرمایا۔آپؐ نے ساتویں دن صاحبزادہ ابراہیمؓ کے بال مونڈوائے اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی صدقہ میں دے کر بالوں کو دفن کروادیا گیا۔عقیقہ کے لئے آپؐ نے ایک بکری ذبح کروائی۔

اس روایت میں صاحبزادہ ابراہیم کے عقیقہ پر ایک بکری ذبح کرنے کا حکم ہے۔جبکہ رسول کریمؐ بالعموم لڑکے کی طرف سے دو اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرنے کی ہدایت کرتے۔اور فرماتے تھے کہ بچہ عقیقہ (قربانی) کے عوض رہن ہوتا ہے۔لیکن چونکہ اسلامی تعلیم میں نرمی اور یُسر کا پہلو غالب ہے۔اور اس کے احکام تکلیف مالایطاق نہیں۔اس لیے آپؐ نے اپنے عمل سے یہ سہولت والی سنت بھی قائم فرمائی کہ اپنے نواسوں امام حسنؓ وحسینؓ کی پیدائش پر حسب حالات وتوفیق خود ایک ایک بکرا ان کی طرف سے ذبح کروایا۔جس سے خاص حالات میں لڑکے کی طرف سے ایک بکرا عقیقہ کا جواز بھی ثابت ہے۔

صاحبزادہ ابراہیمؓ کی رضاعت کے بارہ میں انصار کے مختلف گھرانوں میں طبعاً ایک جذبہ اور شوق پایا جاتا تھا کہ وہ اس خدمت کی سعادت پائیں۔ابتدائی کچھ ایام میں تو حضرت سلامہؓ نے یہ خدمت انجام دی پھر ایک انصاری خاتون حضرت امّ بردہؓ بنت منذر (جو حضرت براءؓ بن اوس کی زوجہ تھیں) کچھ عرصہ دودھ پلاتی رہیں۔رسول اللہ ﷺ بنی نجار کے محلہ میں اپنے لخت جگر ابراہیمؓ کو دیکھنے تشریف لے جاتے اور وہاں قیلولہ بھی فرماتے۔رسول اللہ ﷺ نے حضرت امّ بردہؓ کو کھجوروں کا ایک قطعہ بھی بطور تحفہ عطا فرمایا تھا۔اس کے بعد صاحبزادہ ابراہیمؓ رضاعت کے لئے حضرت ابوسیفؓ کی بیوی حضرت امّ سیفؓ کے سپرد کئے گئے جو مدینہ میں لوہار کا کام کرتے تھے۔رسول اللہ ﷺ کو صاحبزادہ ابراہیمؓ سے بہت محبت تھی۔آپؐ اکثر اپنے بیٹے سے ملاقات کے لئے ابوسیف کے گھر تشریف لے جاتے صاحبزادے کو اٹھاتے سینہ سے لگاتے چومتے اور پیار کرتے۔

صاحبزادہ ابراہیمؓ کی استعدادِ روحانی

صاحبزادہ ابراہیمؓ کی ولادت سے تین سال قبل سورۃ الاحزاب کی آیت خاتم النبیین میں یہ صراحت آچکی تھی مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب:41) کہ محمد ﷺ تمہارے (جیسے) مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کا رسول ہے اور سب نبیوں کا خاتم ہے۔

اس میں یہ اشارہ بھی مضمر تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی نرینہ اولاد میں سے کوئی بھی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچے گا۔اس بچے کی ولادت پر خوشی کے ساتھ طبعاً ایک گھبراہٹ پیدا ہونی بھی ضروری تھی کہ یہ بچہ کچھ عرصہ کا مہمان ہے۔ایسی کیفیت میں حضرت جبریلؑ نے آنحضرت ﷺ کو "اے ابوابراہیم! آپؐ پر سلام" کہہ کر ایک گونا تسلی بھی دی کہ اس بچے کا آکر کم عمری میں جانا بھی موجب برکت وسلامتی ہوگا۔

مزید برآں بذریعہ الہام اس نومولود کا نام ابراہیم اور رسول اللہ ﷺ کی کنیت ابوابراہیم میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ اپنے جدّ امجد حضرت ابراہیمؑ کی دعا کی قبولیت کا نشان ہوکر ان کی نسبت سے ابن ابراہیم بنے،اب آئندہ اللہ تعالیٰ سورۂ کوثر میں دشمن کے ابتر اور آپؐ کے بااولاد ہونے کی پیشگوئی پوری کرتے ہوئے آپؐ کی دعاؤں اور درود شریف کی برکات کے طفیل آپؐ کو ابو ابراہیم بنا کر روحانی اولاد عطا کرنے والا ہے۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے 18 ماہ بعد صاحبزادہ ابراہیم کی وفات پر فرمایا کہ لَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا۔کہ اگر میرا یہ بیٹا ابراہیم زندہ رہتا تو ضرور سچا نبی ہوتا۔

وفات ابراہیمؓ

ہر چند کہ صاحبزادہ ابراہیمؓ کی وفات ایسی الٰہی تقدیر تھی جس کے اشارے موجود تھے مگر طبعاً آپؐ کو اس نرینہ اولاد کی جدائی پر گہرا صدمہ تھا۔ چنانچہ انکی وفات پر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر، حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ بھی روتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اے ابن عوفؓ یہ رحمت ہے۔ پھر آپؐ کا ایک اور آنسو ٹپکا تو آپؐ نے فرمایا:۔

إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ يَحْزَنُ، وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يُرْضِي رَبَّنَا، وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ

یعنی آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمگین ہے اور ہم کچھ نہیں کہتے مگر وہی جو ہمارے ربّ کو پسند ہو اور ہم اے ابراہیم! تیری جدائی سے یقیناً غمگین ہیں۔

کچھ یہی کیفیت حضرت ماریہؓ کی اپنی اکلوتی اولاد کی جدائی پر بھی تھی۔ چنانچہ ان کی بہن سیرین روایت کرتی ہیں کہ صاحبزادہ ابراہیمؓ کے آخری لمحات تھے۔ میں اور میری بہن حضرت ماریہؓ رونے لگیں تو آنحضور ﷺ نے منع نہیں فرمایا مگر جب بچہ فوت ہو گیا تو آپؐ نے ہمیں اونچی آواز سے رونے سے منع فرما دیا۔

صاحبزادہ ابراہیمؓ نے قریباً 18 ماہ عمر پائی۔ گویا رضاعت کے دو سال بھی پورے نہ ہو پائے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی وفات پر فرمایا إِنَّ لَهُ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ۔ کہ

صاحبزادہ ابراہیمؓ کے لئے جنّت میں ایک دودھ پلانے والی ہو گی یعنی ان کی روحانی تکمیل دوسرے جہاں میں ہو گی۔ صاحبزادہ ابراہیمؓ کی وفات پر سورج گرہن ہوا تو بعض لوگوں نے اسے آنحضور ﷺ کے اس صاحبزادے کی وفات کی مناسبت سے ایک نشان قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے واضح فرمایا چاند سورج گرہن کسی کی وفات پر نہیں ہوتے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے نشانات میں سے ہیں پس اٹھو اور نماز کسوف ادا کرو۔:

رسول اللہ ﷺ نے اس معصوم بچے کی تدفین کے لئے خاص جگہ کی تعیین کرتے ہوئے فرمایا ”ہم اپنے اس بچے کو اس کے پیشرو حضرت عثمانؓ بن مظعون کے پہلو دفن کریں گے۔“ رسول اللہ ﷺ کے چچازاد حضرت فضل بن عباسؓ نے صاحبزادہ ابراہیمؓ کو غسل دیا اور ان کی قبر میں ان کے ساتھ حضرت اسامہ بن زیدؓ بھی اترے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ قبر کے کنارے تشریف فرما رہے۔ قبر کی تیاری کے دوران رسول کریم ﷺ نے دیکھا کہ کچھ سوراخ باقی رہ گئے ہیں۔ آپؐ نے توجہ دلا کر ان کو بند کروا دیا اور فرمایا ”اس سے مرنے والے کو تو کوئی فائدہ یا نقصان نہیں لیکن زندوں کی آنکھ اس سے ٹھنڈی ہوتی ہے۔ اور بندہ جب کوئی کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ وہ اس کام کو عمدہ کر کے مکمل کرے“

(بحوالہ اہل بیت رسول ﷺ از حافظ مظفر احمد صاحب)

(باقی انشاءاللہ آئندہ شمارہ میں)

❁❁❁

پیاری مدثرہ جی قدسیہ جی اور نگہت جی کے نام

کنیز بتول نجمہ

محبتوں کے شہر کا حسین باب رہو
یا پھر خلوص سے لکھی گئی کتاب رہو
کہ جن کی خوشبو سے سارا چمن معطر ہے
ہمیشہ ایسا مہکتا ہوا گلاب رہو
شب سیاہ میں بھی آ کے جو روشنی بھر دے
صدائے دل ہے سدا وہی مہتاب رہو
میرا خدا جو غفور و رحیم مالک ہے
ہر اک خوشی کے لئے اس کا انتخاب رہو
کہ جس طرح سے ہوئے کامیاب آج کے دن
خدا کرے کہ ہمیشہ ہی کامیاب رہو

❁❁❁

ادارتی پالیسی

آبگینے خواتین ڈائجسٹ کی ادارتی پالیسی واضح ہے مذہبی اور غیر مذہبی نقطۂ نظر پر اور اظہار آزادی پر کوئی پابندی نہیں۔ یہ سیاسی، مذہبی، لسانی، علاقائی، تعصب اور عصبیت سے پاک ہے۔ اس کا کسی طبقہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم تمام مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والوں کو خوش دلی سے خوش آمدید کہتے ہیں۔ آئیے اپنا مؤقف بلا خوف و خطر بیان کیجیے۔ لیکن دوسروں کے جذبات کا احترام آپ کا اور ہمارا اخلاقی فرض ہے۔ اپنا مضمون یا منظوم کلام ہمیں بھیجنے سے قبل اس کو اچھی طرح سے پڑھ لیں تاکہ کمپوزنگ (ٹائپ) کی غلطیاں آپ خود نکال سکیں۔ تحریر میں غلطیاں کم ہونے کی صورت میں جلد قابل اشاعت ہو گی۔ یاد رہے متن میں تبدیلی کرنا ایڈیٹر کا اختیار ہوتا ہے۔ ضروری امر یہ ہے کہ مضمون یا کلام وہی قابل اشاعت ہو گا جو پہلے کسی اخبار یا انٹرنیٹ سوشل میڈیا پر شائع نہ ہوا ہو۔ علاوہ ازیں آپ کی تحریر ایک ہزار الفاظ سے زیادہ نہ ہو بعض صورتوں میں استثناء دیا جا سکتا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں گے۔ جزاکم اللہ

مدثرہ عباسی
مدیرہ

ایک نصیحت فرقان حمید سے

نٓ وَ الْقَلَمِ وَ مَا يَسْطُرُوْنَ۲ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ۳ وَ اِنَّ
لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ۴ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۵ فَسَتُبْصِرُ وَ
يُبْصِرُوْنَ۶ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ۷ (القلم آیت 2 تا7)

دوات اور قلم اور وہ عظیم الشان صداقتیں جن کو لوگ لکھتے ہیں اور لکھتے رہیں گے۔ (ان کے مطالعہ کا نتیجہ تو یہی ہوگا) کہ تو اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں کیونکہ وہ تمام تحریریں تیری صداقت کی گواہی رہیں گی اور دوسری دلیل یہ ہے کہ تیری محنت وکوشش کا بدلہ۔ اجر اس کی مزدوری تیرے لئے غیر منقطع ابدی ہے اور ظاہر ہے کہ مجنون کی محنت وکوشش کا تو کوئی اجر ہی نہیں ہوا کرتا۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ مجنون تو خلیق نہیں ہوتے۔ اور تُو خلق پر کیا خُلقِ عظیم پر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقناطیسی جذب اور آپؐ کے اخلاق ہی تھے کہ اڑب عرب آپ کے حکم پر اپنے خون کو پانی کی طرح بہاتے تھے اور چوتھی دلیل یہ ہے کہ مجنون کے افعال واقوال مثمر ثمراتِ خیر اور منتج کسی نیک نتیجہ کے نہیں ہوا کرتے اور تیرے اقوال اور تیرے افعال کا نتیجہ تُو بھی دیکھ لے گا۔ اور دوسرے لوگ بھی دیکھ لیں گے۔ اور یہ کیسی سچی پیش گوئی نکلی۔ دنیا میں صرف آپ ہی اکیلے ایسے کامیاب ہوئے ہیں جنہوں نے اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (المائدہ: 4) کی آواز اپنی زندگی میں اپنے کانوں سے سُنی اور رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (نصر: 3) کا نظارہ اپنی آنکھ سے دیکھا۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ فَاِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ۔ اس پر بھی نہ ماننے والوں نے نہ مانا۔ پر نہ مانا۔ (نور الدین طبع سوم صفحہ 50-49)

دنیا میں انسان ایک معجون ہے۔ اس نے زمین کو پھاڑا۔ پہاڑوں کو چیرا۔ سمندر کی تہہ سے موتی نکالے۔ ہوا۔ سمندر۔ روشنی پر حکومت کرتا ہے۔ باوجود اس کے کمال کے کسی اور کے نمونہ کو اختیار کرنا چاہتا ہے۔ تاجر۔ کسی بڑے تاجر۔ اور سپاہی کسی بڑے کمان افسر کی طرح بننا چاہتا ہے۔ راولپنڈی کے ایک دربار میں پرنس آف ویلز کی شان وشوکت دیکھ کر ایک احمق نے مضمون لکھا کہ کاش میں ہی پرنس ہوتا! ایک میرا دوست دوست مرضِ جذام میں گرفتار یہاں آیا۔ مجھے کہنے لگا۔ آپ عقلمند نہیں معلوم ہوتے۔ آپ مجھے اجازت دیں۔ میں کوشش کروں۔ فوراً آپ کو زمین کے بڑے مربعے دلا سکتا ہوں۔ آپ بادشاہ بن جائیں گے! مَیں نے اسے کہا کہ تم نہیں جانتے۔ خوشی اور شے ہے۔ تم مجھے زمین دلواتے ہو۔ خود تو بڑے زمیندار ہوں۔ مگر دیکھو۔ تم میں ایسی بیماری ہے کہ تمہارے رشتہ دار بھی تم سے نفرت کرتے ہیں۔ پھر وہ زمین کس کام؟ غرض ہر شخص کسی نمونہ کو سمجھنے کا خواہشمند ہے۔ کوئی حسن وجمال کا شیدا۔ کوئی ناموری چاہتا ہے۔ کوئی حکومت کو پسند کرتا ہے۔ کوئی کسی اور بڑائی کا حریص ہے۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ ان کے واسطے ایک نمونہ پیش کرتا ہے۔ دوات اور قلم ہو۔ اور اس سے جو کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ سیاسی لوگ سیاست پر کتب لکھتے، ناولسٹ ناول لکھتے، اور مختلف لکھنے والے مختلف اشیاء پر لکھتے اور ان کی تحریریں جمع کرو۔ یہ ثابت ہوگا کہ محمدؐ رسول مجنون نہیں تھا۔ اس نے جو کچھ خلقت کے سامنے پیش کیا۔ وہ حق وحکمت سے پُر۔ اور اس نے جو تحریر پیش کی ہے اس کا مقابلہ کوئی تحریر دنیا بھر کی نہیں کر سکتی۔ تمام تعلیمات جن پر عمل کر کے انسان خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ وہ سب اس کتاب میں جمع ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ مجنون کے نہ رونے کی کسی کو پرواہ ہے نہ اس کے ہنسنے کی کسی کو خواہش ہے۔ اس کی طاقت کی قدر نہیں ہو سکتی وہ سارا دن سوئے۔ جاگے۔ بیٹھے سردی میں ننگا۔ گرمی میں لحاف لے۔ اس کی محنت کا بدلہ نہیں۔ لیکن اے نبی! تیری محنتوں کا ثمرہ اور غیر ممنون ہے۔ اس کا خاتمہ نہیں۔ ہم نے خود تجربہ کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر کام کا پھل ہمیشہ قائم ہے۔ پھر مجنون کے اخلاق نہیں ہوتے۔ وہ دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست بنالیتا ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اخلاق اعلیٰ رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ قرآن لائف آف محمدؐ ہے۔ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن۔ پھر فرمایا۔ دیکھوا ے مخالفو! اس کے مقابلہ میں کسی کا زور نہ چلے گا۔ یہ بھی دیکھے گا اور تم بھی دیکھو گے کہ کون فتح مند ہوتا ہے۔ عرب اور عجم کوئی اس کے بالمقابل کامیاب نہ ہو سکے گا۔ یہ اس کی صداقت کی دلیل ہے۔ اگر تم کوئی نمونہ اعلیٰ چاہتے ہو اور وعدۂ خداوندی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو یاد رکھو کہ علم کے لئے قرآن شریف اور عملی زندگی کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عملدرآمد بس ہے......

آج تک جس نسخہ کو آزمایا وہ یہی کے فتح اور نصرت اور کامیابی کے حصول کا ایک ہی نسخہ قرآن شریف ہے۔

نٓ۔ دوات مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ: تُو مجنون نہیں ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس قول کا رد کیا ہے۔ کہ نعوذ باللہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجنون ہیں۔ اور اس پر دلائل دیئے ہیں۔ فرمایا قلم دوات کو لو اور جو علوم دنیا میں پیدا ہوئے ہیں سب کو جمع کرو اور تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو لو اور ان کو ایک جگہ جمع کرو۔ اور پھر اس کلام (قرآن) کے ساتھ مقابلہ

کر کے غور کرو کہ کیا یہ مضمون کا کلام ہے۔

بلکہ فرمایا۔ قلم اور دوات کے ساتھ جو کچھ آئندہ بھی کبھی لکھا جاوے گا۔ اس سے ہمیشہ یہی ثابت ہوتا رہے گا کہ یہ خیال جو اس نبیؐ کے متعلق کیا گیا ہے بالکل باطل ہے۔ ہر ایک نیا علم جو دنیا میں نکلے گا۔ جو خداوند تعالیٰ سے محبت اور مخلوق پر شفقت کے متعلق ہوگا۔ وہ اس کی صداقت اور علم و عقل کے کمال کو ثابت کرتا رہے گا۔ وہ تمام بحثیں اور تحریریں جو آئندہ ہوں گی وہ کوئی ایسا دینی مسئلہ پیدا نہ کر سکیں گی۔ جو انسان کی بہبودی کے واسطے ضروری ہو اور اس پاک کلام میں نہ پایا جاتا ہو۔ پھر ایسی کتاب کا لانے والا کیوں کر مجنون ہو سکتا ہے۔

ان آیات میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اب قلم و دوات کا زمانہ آنے والا ہے جب کہ ہر شے لکھی جائے گی اور صحائف بہت کثرت سے ہوں گے۔ اور بڑے علوم کا زمانہ خیال کیا جاوے گا۔ اس وقت بھی قرآن شریف کی شریعت صحیح اور غیر متبدل ثابت ہوگی۔ اور دنیا کو ماننا پڑے گا کہ ایسے مستحکم معقول۔ مدلّل کلا لانے والا بجز ایک کامل نبی کے کوئی ہو نہیں سکتا۔ چہ جائیکہ وہ دیوانہ ہو۔

غَيْرَ مَمْنُونٍ: غیر منقطع۔ کیونکہ یہ کلام ایسا ہے کہ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینۃ: 4) اس میں مضبوط کتابیں شامل ہیں جو قائم رہنے والی ہیں۔ اس واسطے یہ علوم ہمیشہ سچے ثابت ہوتے رہیں گے اور ان سے دنیا میں ہمیشہ نور پھیلتا رہے گا اور اس طرح تیرا ثواب جاری رہے گا کیونکہ یہ ابدی شریعت ہے۔

یہ بھی حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجنون نہ ہونے کی ایک دلیل بیان فرمائی ہے۔

کیونکہ پاگل جو ہوا کرتے ہیں۔ برخلاف اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام مُنظّم تھے۔ اور ان سے بڑے بڑے اہم اور مفید نتائج پیدا ہوئے۔

اس میں اہلِ عرب کو اور آئندہ تاریخِ زمانہ پر نگاہ کرنے والوں کو سمجھایا ہے۔ کہ دیکھو ہمارا رسول بھی ایک کام کر رہا ہے اور اس کے بالمقابل تم بھی ایک کام کر رہے ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مکّہ کو کون فتح کرتا ہے اور غیر منقطع اجر کس کو ملتا ہے۔ کون عاقل ثابت ہوتا ہے اور کون دیوانہ۔

ایک اور دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاگل نہ ہونے کی جگہ بیان فرمائی ہے۔ فرمایا جو شخص خُلقِ عظیم اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس کو پاگل کی طرح کہہ سکتے ہیں۔ پاگل کے اخلاق اچھے نہیں ہوا کرتے۔ کیا وہ شخص جو عاقبت اندیشی۔ شجاعت۔ مروّت۔ جود و سخا۔ استقامت۔ بلند ہمتی۔ عفّت حیاء۔ زُہد۔ اتقاء۔ ریاضت۔ فصاحت۔ بلاغت۔ عفو۔ کرم۔ رحم۔ حلم۔ توکل۔ امانت۔ دیانت۔ غرض تمام اخلاق فاضلہ کا سرچشمہ ہو۔ کیا وہ مجنون ہو سکتا ہے۔ ہر گز نہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ خلق، نرمی۔ حلیمی اور انکسار کا نام نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے۔ بلکہ انسان کے اندر بمقابلہ ظاہری قویٰ کے جو باطنی کمالات کی کیفیات ہیں۔ ان سب کا نام خُلق ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وہ سب پائی جاتی تھیں۔ اسی پر قرآن شریف میں دوسری جگہ فرمایا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب: 22)

کہ اخلاق کے واسطے یہ رسول کامل نمونہ ہے۔ اس کی سنت کو اختیار کرو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خُلق کے متعلق سوال ہوا تھا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ آپؐ کا خُلق قرآن تھا قرآن مجید میں جو اعلیٰ تعلیم دی گئی ہے اس سارے کے عمل کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمونہ تھے۔ جو لوگ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح عمریاں تلاش کرتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ جناب صدیقہ کے اس قول کی طرف توجہ کریں۔

(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ 174 تا 177)

میں نے بھی رات آنکھوں میں ساری گزار دی

امۃ الباری ناصر

صدقے اس ذات پاک کے جس نے سہار دی
مجھ سی خزاں نصیب کو تازہ بہار دی
لگتا ہے خاک میری ٹھکانے پہ جا لگی
جب میں نے جان جان سے پیارے پہ وار دی
کچھ بندشیں تھیں، خوف تھے اور ناروا سلوک
عمر عزیز ساری گھٹن میں گزار دی
اس کی شکست دیکھنے کا حوصلہ نہ تھا
پھر میں نے اپنی جیتی ہوئی بازی ہار دی
دیتی رہی تسلیاں اپنی ہی باز گشت
نا مہرباں کو میں نے صدا بار بار دی
ہر لحظہ امتحان تھا ہر گام ابتلا
ہنس کر گزار دی کبھی رو کر گزار دی
سانسوں کی ڈور دے دی حوادث کے ہاتھ میں
سر سے یہ ذمہ داری بھی آخر اُتار دی
میں نے تو پھول پھول سجائی ہے اس کی راہ
اس نے جو رہگزار دی ہے خارزار دی
اس نے بھی خواب آنکھوں میں رکھ کے بھلا دیا
میں نے بھی رات آنکھوں میں ساری گزار دی

انسان کے ذمہ تین طرح کے حقوق ہیں

انسان کے ذمہ تین طرح کے حقوق ہیں۔ اوّل: اللہ تعالیٰ کے۔ دوم: نفس کے۔ سوم: مخلوقات کے۔ ان حقوق کے متکفّل قرآن کریم اور احادیثِ صحیحہ ہیں۔ جنابِ الٰہی کے حقوق کو کون بیان کرسکتا ہے عقل میں تو نہیں آسکتے۔ جس طرح وہ وراء الوراء ہستی ہے اس کے حقوق بھی ویسے ہی ہیں۔ جب انسان ایک دوسرے انسان کی رضامندی کے رستوں کو کب کوئی پا سکتا ہے اور جب انسان کے حقوق کو نہیں سمجھ سکتے تو خدا کے حقوق کا کس طرح سمجھ سکتے ہیں مثلاً میں یہاں کھڑا ہوں تم میری رضامندی کی راہ کو نہیں جانتے۔ تو وہ ذات جو لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (شوریٰ: 12) ہے اس کے حقوق کو کیونکر انسان سمجھ سکتا ہے۔

اسی طرح انسان کے حقوق بھی ہیں۔ انسان بہت کچھ غلطیاں کرجاتا ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے انسان کے لئے ایک قانون بنایا ہے۔ ایک صحابیؓ دن کو روزے رکھتے اور رات کو عبادت کرتے تھے۔ وہ حضرت سلمان فارسیؓ کے دوست تھے۔ ایک دفعہ سلمانؓ ان کے گھر تشریف لے گئے تو ان کی بیوی کے کپڑے خراب تھے۔ انہوں نے ان کی بیوی سے پوچھا کہ بھاوجہ صاحبہ آپ کی ایسی حالت کیوں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے کپڑوں کی حالت کیونکر اچھی ہو تمہارے بھائی کو تو بیوی سے کچھ غرض ہی نہیں۔ وہ تو دن بھر روزے اور رات کو عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ حضرت سلمانؓ نے کھانا منگوایا۔ اس دوست کو کہا کہ آؤ کھاؤ۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں روزے دار ہوں تو حضرت سلمانؓ نے ناراضگی ظاہر کی تو مجبوراً اُس صحابی نے آپ کے ساتھ کھانا کھالیا۔ پھر سلمانؓ نے جب رات ہوئی تو چارپائی منگوا کر ان کو کہا سو جاؤ۔ انہوں نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ میں رات کو عبادت کیا کرتا ہوں تو پھر حضرت سلمانؓ نے ان کو زبردستی سُلادیا۔

صحابہ ایسے نہ تھے کہ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ (النساء: 84) جب کوئی امن وخوف کی بات ہوتی تو اسے پھیلانہ دیتے تھے۔ تم میں سے اکثر ایسے ہیں جو بات سُنی تو فوراً اس کو پھیلا دیتے ہیں۔

آخر ان کا معاملہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوا تو آپ ﷺ نے اس صحابیؓ کو فرمایا کہ تمہارے متعلق ہمیں یہ بات پہنچی ہے تو انہوں نے یہ عرض کیا کہ بات تو جیسے حضور ﷺ کو کسی نے پہنچائی ہے وہ صحیح ہے۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَلِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا۔ یہ بھی فرمایا وَلِعَيْنَيْكَ عَلَيْكَ حَقًّا۔ تیرے پر نفس کے حقوق بھی ہیں۔ تیری بیوی کے بھی حقوق ہیں۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ (اس کی مراد اس سے یہ تھی) کہ میں تو خوب مضبوط ہوں آپ ﷺ مجھے کچھ تو اجازت دیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا ایک مہینے میں تین روزے رکھ لیا کرو۔ (چاند کی تیرہ، چودہ، پندرہ) اس نے پھر کہا یا رسول اللہ ﷺ (مطلب یہ تھا کہ میں بہت طاقتور ہوں آپ مجھے اور اجازت دیں) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا دو دن افطار کر کے ایک دن روزہ رکھ لیا کرو۔ اس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ......تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا۔ سب سے بڑھ کر تو صومِ داؤدی تھا۔ تم ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرلیا کرو۔ پھر کہا یا رسول اللہ ﷺ (مطلب یہ تھا کہ مجھے قرآن کریم کے روزانہ ختم کرنے کی تو اجازت فرماویں) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہفتہ میں ایک ختم کرلیا کرو۔ تو اس نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا قرآن کریم کا ختم تین دن میں کرلیا کرو اس سے جلدی کی بالکل اجازت نہیں ہے۔ جب وہ بوڑھے ہوگئے تو پھر ان کو اس سے تکلیف ہوئی اور اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے ہوئے تھے۔ اب لگے رونے اور پچھتانے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کو اس وقت کیوں نہ مانا! جب ایسے ایسے صحابہؓ کو رضامندی کا پتہ نہیں لگ سکا تو تم کو کیوں کر لگ سکتا ہے؟

ہم بیمار ہوجاتے ہیں یا ہمیں کوئی خوشی ہوتی ہے تو تم میں سے بعض ایسے ہیں (جن کا ہم سے کوئی تعلق نہیں) کہ وہ ہماری رنج وراحت میں بالکل شریک نہیں ہوتے اور ہمیں پوچھتے تک نہیں۔

وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ: اور جب یہ آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ دیکھو تم نے فلاں بات جو تم کو سمجھ آگئی وہ کیوں بتلائی۔ اب وہ تم کو خدا کے رُوبرو ملزم ٹھہرائے گا۔ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ (البقرۃ: 78) کہ یہ نہیں جانتے کہ اللہ اُن کے چُھپے اور ظاہر اور ان کے سب بھیدوں کو جانتا ہے تو وہ پھر چھپاتے کس سے ہیں۔

(حقائق الفرقان جلد اوّل صفحہ 177-178)

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ

تحریر: رفعت امان اللہ

عظمتِ قرآن بہ زبان قرآن

قرآن پاک کا تعارف جتنا عمدہ خود قرآن سے ہوسکتا ہے اور اس کی عظمت شناسی خود اس کے ذریعے جتنے بہتر طریقے سے ہوسکتی ہے کسی اور ذریعے سے نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے چنانچہ سورۃ ھود میں اللہ تعالی فرماتا ہے

"یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات محکم ہیں، پھر بڑی تفصیل سے بیان کی گئی ہیں۔ بڑے حکمت والے بہت خبر رکھنے والے (اللہ) کی طرف سے" سورالشعراء میں قرآن پاک کا تعارف یوں رقم ہے

"اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قرآن پروردگار عالم کا نازل فرمایا ہوا ہے۔ اسے روح امین نے اتارا ہے"۔

سورۃ بنی اسرائیل میں اس کا تذکرہ یوں کیا گیا ہے۔

"بے شک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے"۔

اسی طرح سورۃ یونس میں قرآن کریم کو رحمت خداوندی سے موسوم کیا گیا ہے جیسا کہ مذکور ہے۔

"یہ صرف اللہ تعالی کا فضل اور اس کی رحمت ہے کہ یہ نعمت تمہیں نصیب ہوئی، بس یہی وہ چیز ہے جس پر لوگوں کو چاہیے کہ خوشیاں منائیں۔ جتنی بھی چیزیں لوگ دنیا میں خریدتے ہیں قرآن کی نعمت ان سب سے زیادہ بہتر قیمتی ہے۔"

رمضان کا پورا مہینہ قرآن مجید کی نعمت سے منسوب کر دیا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہے۔

"رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا"۔

قرآن پاک کی عظمت وجامعیت کو سورۃ مائدہ میں بڑے ہی بلیغ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے، جس کو سن کر ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہا سے کہا کہ تمہاری کتاب میں ایک آیت ایسی نازل ہوئی ہے اگر یہ آیت ہمارے یہاں نازل ہوتی تو ہم اس دن یوم عید اور جشن کا دن بنالیتے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ نے دریافت فرمایا وہ کونسی آیت ہے؟ اس یہودی نے جواب دیا سورہ مائدہ میں درج ہے۔

"آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔"

(حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم)

قرآن سیکھنے اور سکھانے کی فضیلت

خیر کم من تعلم القرآن وعلمه (صحیح بخاری)

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور پھر اسے سکھائے"

سورۃ البقرہ آیت نمبر 130 سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ایک عظیم الشان نبی کے مبعوث ہونے کے لیے اپنی ذریت کے حق میں خدا تعالیٰ کے حضور یہ دعا مانگی کہ "اے اللہ انہیں میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے اور کتاب اور حکمت سکھائے،"

یہ دعا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں پوری ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو قرآن کریم کے ذریعے حکمت کی تعلیم دی۔ پس قرآن کریم کا سیکھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل پیروی کا بہترین طریقہ ہے اور ایک اور حدیث (مسلم) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قرآن کریم کو پڑھتے رہو کیونکہ یہ جزا سزا کے دن یہ (قرآن کریم) ان کے حق میں شفاعت کرے گا جو اس کو پڑھنے والے ہیں۔"

فضائل قرآن کریم اور آدابِ تلاوت

قرآن کی فضیلت

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب عزوجل فرماتا ہے جسے قرآن اور میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے روکے رکھا میں اسے اس سے بہتر دوں گا جو میں مانگنے والوں کو دیتا ہوں اور کلام اللہ کی فضیلت باقی تمام کاموں پر ویسے ہی ہے جیسے اللہ کی اپنی مخلوق پر۔

(ترمذی کتاب فضائل القرآن کیف کانت مرآۃ النبی 2926)

قرآن پڑھنے والے کی فضیلت

حضرت عثمان رضی اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

"تم میں سے بہتر وہ ہے جو خود قرآن سیکھے اور پھر دوسروں کو سکھائے"۔
(بخاری کتاب فضائل القرآن 5027)

قابلِ رشک وجود

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو آدمی ایسے ہیں جو قابلِ رشک ہیں، ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا ہو اور وہ رات بھر عبادت اور تلاوت میں مصروف رہے دوسرا جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہو اور وہ شب و روز خدا تعالیٰ کی راہ میں اسے خرچ کرتا ہے۔
(بخاری کتاب العلم باب الانتباط فی العلم والحکمۃ 73)

قرآن والے اللہ والے ہیں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

یقیناً لوگوں میں سے کچھ اللہ والے ہیں صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وہ کون ہیں؟ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا قرآن والے جو اللہ والے اور اس کے خاص لوگ ہیں۔
(ابن ماجہ کتاب المقدمہ باب فضل من تعلم القرآن 203)

خدا کی پناہ

ایک ادب اللہ تعالیٰ نے تلاوت قرآن پاک کا یہ بیان فرمایا ہے کہ جب بھی قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو۔

قرآن کریم پڑھنے کا ثواب

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جس نے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ایک حرف پڑھا اس کے لیے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے۔ اور میں یہ نہیں کہتا کہ الف لام میم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک اور میم ایک حرف ہے۔
(ترمذی کتاب فضائل القرآن)

قرآن بطور شفیع

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا

قرآن پڑھو کیونکہ یہ قیامت والے دن اپنے پڑھنے والے کے لیے شفیع بن کر آئے گا۔ (مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب فضل قراءۃ القران)

فرشتوں کی معیت

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کی تلاوت میں ماہر ہے وہ روزِ قیامت فرمانبردار اور معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور وہ قاری جو قرآن پڑھتا ہے لیکن اس کا پڑھنا اس کے لئے دشوار ہے اس کے لئے دس گناہ ثواب ہے۔
(مسلم کتاب صلاۃ المسافرین آمین بابا فضل الماھر فی القران 1329)

قرآن سیکھنا ایک بہت بڑی نیکی ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کسی شخص کی خوبیوں کا تذکرہ کیا گیا اس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں نہیں پتا کہ وہ قرآن پڑھتا ہے۔؟

خوش الحانی سے تلاوت قرآن کریم

ایک حکم اللہ کا تلاوت قرآن کریم کے بارے میں یہ بھی ہے کہ

رتل القرآن ترتیلا (المزمل 5)

چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی خوش الحانی سے تلاوت فرماتے تھے اور خوبصورت تلاوت کو پسند فرماتے تھے۔حضرت برا ابن عازب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی خوبصورت آواز سے قرآن کو زینت دو۔
(ابو ذر کتاب الصلاۃ باب استجاب الترتیل فی القرآۃ 1468)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو قرآن کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔
(بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالیٰ اسرا و قولکم)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تلاوت کا طریقہ

اللہ تعالیٰ قرآن کریم (البقرہ 122) میں فرماتا ہے کہ

"جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی اس طرح تلاوت کرتے ہیں جس طرح تلاوت کرنے کا حق ہے۔"

آیئے دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلم کی تلاوت کا کیا طریقہ تھا؟
حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ ایک لفظ میں توقف ہوتا اور ایک ایک واضح ہوتا۔
(ترمذی کتاب فضائل القرآن باب ماجاء کیف کانت قرآۃ النبی 2927)

قرآن کے سننے اور سنانے کا شغل

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن سناؤں۔انہوں نے عرض کیا اللہ نے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اللہ نے تمہارا نام لیا ہے۔ اس پر حضرت ابی رضی اللہ رو پڑے۔
(مسلم کتاب صلاۃ المسافرین بابا استجاب قرآۃ القرآن)

قرآن کا خاموشی سے سننا

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (سورہ اعراف 205

جب قرآن پڑھا جائے تو اسے خاموشی سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم سے پتہ چلتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی خوبصورت آواز بصد شوق، سنا کرتے تھے۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ سے فرمایا کہ " اگر تم مجھے دیکھ لیتے جب گزشتہ رات میں تمہاری تلاوت سن رہا تھا تمہیں تو آل داؤد کے مزامیر میں سے ایک مزمار قرار دیا گیا ہے۔" (مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب استجاب تحسین)

حفظ قرآن کی فضیلت

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وہ شخص جس کے سینے میں قرآن کا کوئی حصہ محفوظ نہیں وہ ویران گھر کی مانند ہے۔

(ترمزی کتاب فضائل القرآن)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قرآن پڑھا اور اسے حفظ کیا اور اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال ٹھہرایا اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھا تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا اور اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس افراد کے بارے میں اس کی شفاعت کو قبول فرمائے گا جن پر دوزخ واجب ہو گئی ہو گی۔ (ترمذی کتاب فضائل القرآن باب فی فضل قاری)

قرآن سیکھنے کی طرف توجہ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی کتاب کو سیکھو اور اس کا خاص اہتمام کرو، اور اسی خوش الحانی سے پڑھا کرو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قرآن کی مثال بندھے ہوئے اونٹوں کی ہے اگر ان کی نگرانی کرے گا تو انہیں روک رکھے گا اور انہیں چھوڑ دے گا تو وہ چلے جائیں گے۔ (مسلم کتاب صلاۃ المسافرین باب فضائل القرآن)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی کتاب کو سیکھو اور اس کا خاص اہتمام کرو اور اسے خوش الحانی سے پڑھا کرو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قرآن رسیوں سے نکلنے والے اونٹوں سے زیادہ تیزی سے نکلنے والا ہے۔

(مسند احمد بن حنبل مسند الشامیین حدیث عقبہ بن عامر)

اللہ تعالی نے قرآن پاک کا علم حاصل کر کرنے اس پر عمل کرنے اور پھر اسے دوسروں کو سکھانے والے انسانوں کو بہترین قرار دیا ہے۔ قرآن پاک سادہ، باترجمہ اور قرات وغیرہ، ہر طرح کا علم دوسروں کو سکھائیں کہ یہ علم محدود نہ ہو اور بڑھے۔ اس کتاب کو اللہ تعالی نے اپنے پیارے نبی کو دیا اور وہ کوئی عام کتاب نہیں بہت خاص ہے اس لئے اس کی حفاظت بھی اللہ تعالی کے سپرد ہے۔ ہمیں چاہئے کہ وہ بہترین انسان بنیں جو نہ صرف اس پہ عمل کرنے والے ہوں بلکہ اپنے عمل سے دوسروں کو بھی سکھائیں۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم سب کو اپنے احکامات پر عمل پیرا ہونے والا بنائے، ہمیں خاص فضل سے بہترین مخلوق کہلانے کا صحیح وارث بنائے آمین۔

❁❁❁

اسلامی تعلیمات

متقیوں کی سی صورت بھی آفات سے حفاظت کا ذریعہ ہے

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ، نے آپ بیتی میں اپنی ذات سے متعلق ایک بڑا دلچسپ واقعہ ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ سفر سے واپسی پر جب میں ریل گاڑی سے اترا تو سخت پیاس محسوس ہوئی۔ سخت گرمی کا موسم تھا۔ پلیٹ فارم کے کنارے ایک سکھ کی دکان تھی جسمیں مختلف رنگ کے شربت تھے۔ میں دوکان پر گیا اور ایک بوتل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ مجھے وہ فلاں شربت دے دو، سکھ نے مجھے اوپر سے نیچے تک بڑی غور سے دیکھا اور سخت انداز میں بولا: جاؤ یہاں سے۔ کوئی شربت وربت نہیں ملے گا۔ مجھے بڑا غصہ آیا کہ پیسے دیکر لے رہا ہوں۔ کوئی فری کا تھوڑی مانگ رہا ہوں۔ یہ سکھ بڑا حاسد قسم کا ہے۔ میں باہر آ گیا۔ جو صاحب مجھے لینے آئے تھے، میں نے یہ واقعہ ان سے نقل کیا کہ وہ سکھ تو بڑا حاسد ہے، مجھے پیاس لگی ہے اور اس نے شربت دینے سے انکار کر دیا۔ وہ صاحب مسکرائے اور کہا: حضرت! وہ شربت کی دوکان نہیں, شراب کی دوکان تھی. یہ سن کر میں نے آسمان کی طرف چہرا کیا اور کہا الحمد للہ یا میرے اللہ! تو نے مجھے آج بچا لیا، ورنہ اگر ایک گھونٹ بھی پی لیتا تو میرا کیا ہوتا؟ اور دل ہی دل میں اس سکھ بے چارے کا بہت شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے شریف آدمی سمجھ کر دینے سے انکار کر دیا۔

حضرت یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

میرے پیارو! تم اگر متقیوں کی سی شکل ہی اختیار کر لو تو بہت سارے خرافات سے بچ جاؤ گے۔

ترے عشق کی کرامت یہ اگر نہیں تو کیا ہے؟
کبھی بے ادب نہ گزرا میرے پاس سے زمانہ

(جگر مراد آبادی)

❁❁❁

اَصحابُ الرَّسِّ

اصحاب الرس کا ذکر قرآنِ مجید میں دو مقامات پر آیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَاۡ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًاۢ بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۝۳۹

(سورۃ الفرقان آیت:39)

اور عاد اور ثمود اور کنویں والوں کو بھی اور بہت سی اُن قوموں کو بھی جو اس (عرصہ) کے درمیان تھیں۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۝۱۳ (سورۃ قٓ آیت:13)

اُن سے پہلے نوح کی قوم نے بھی جھٹلایا تھا اور معدنیات والوں نے اور ثمود نے بھی

عربی زبان میں ''رس'' اس کنویں کو کہتے ہیں جس کی منڈیر پتھروں سے بنائی گئی ہو۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ ایک خاص کنواں تھا جس پر قوم ثمود کا ایک قبیلہ رہتا تھا۔ وہی لوگ ''اصحاب الرس'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے اس نام کے ساتھ مشہور ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے نبی کو کنویں میں پھینک دیا تھا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ ''اَصْحٰبُ الرَّسِّ'' اور ''اَصْحَابُ الْاُخْدُوْد'' (کھدائی والے) ایک ہی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یمامہ کے علاقے میں ایک بستی تھی جسے ''فلج'' کہا جاتا تھا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ قوم ثمود کے ایک قبیلے کا رہائشی علاقہ تھا۔ ان کے علاوہ بھی مختلف اقوال لکھے گئے ہیں۔

اضافی توضیحات وتشریحات

الرس کے کئی معانی ہیں: کنواں معدن' یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرنا۔ قرآن میں الرس کنویں کے معنی میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ الرس ایک قوم تھی جس نے اپنے نبی کو جھٹلایا اور اسے کنویں میں گھسیٹر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ الرس قوم ثمود کے ایک گروہ کی بستی تھی۔ بعض کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًاۢ بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا میں الرس آذربائیجان کی وادی ہے۔ آذربائیجان کی حد الرس کے پیچھے سے شروع ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ الرس کے علاقے ''الران'' میں ایک ہزار شہر آباد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف موسیٰ نامی ایک نبی مبعوث کیا جو موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے علاوہ کوئی نبی تھا' جس نے انہیں اللہ کی توحید کی دعوت دی مگر انہوں نے تکذیب کی اور ان کی دعوت کا انکار کیا۔ نبی نے ان کے لیے بد دعا کی جس سے وہ ہلاک ہو گئے۔ (معجم البلدان: 43 /3۔44)

آذربائیجان: یہ علاقہ بیرۃ کیسپن (قزوین)' قفقاز (کوہ قاف) آرمینیا' ترکی اور ایران کے مابین گھرا ہوا ہے۔ شمالی آذربائیجان ایک آزاد ملک ہے جس نے 1991ء میں روسی تسلط سے آزادی حاصل کی۔ اس کا رقبہ 87 ہزار مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً 75 لاکھ ہے۔ اس کا دارالحکومت باکو ہے جو تیل کی برآمد کا بہت بڑا مرکز ہے۔ یہاں ترک نسل کے مسلمان بستے ہیں۔ یہ علاقہ عہد فاروقی میں ہوا تھا۔ آذربائیجان کے شمال میں مسلم اکثریت کا روسی علاقہ داغستان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہیں کوہ قاف کے پہاڑوں میں دربند کے پاس یاجوج ماجوج کی دیوار ہے۔ آذربائیجان کے مغرب میں کوہ قاف کی مسیحی مملکتیں جارجیا اور آرمینیا واقع ہیں۔ آرمینیا نے ایک دہائی پہلے جنگ کر کے آذربائیجان کے علاقہ نگورنو قرہ باغ پر قبضہ کر لیا تھا جہاں مسیحی اکثریت میں ہیں۔ الران یہیں واقع ہے۔ شمالی آذربائیجان انیسویں صدی عیسوی میں روسیوں نے ایران سے چھین لیا تھا۔ نخچیوان کا علاقہ بھی آذربائیجان میں شامل ہے جو آرمینیا اور ایران کے درمیان واقع ہے۔

آذربائیجان (ایران): یہ قفقاز ترکی' عراق اور بھی قزوین سے گھرا ہوا ایرانی علاقہ ہے اور دو صوبوں میں بٹا ہوا ہے۔ مشرقی آذربائیجان کا دارالحکومت تبریز اور مغربی آذربائیجان کا صدر مقام اورمیہ ہے۔ ایرانی آذربائیجان کا کل رقبہ ایک لاکھ 9 ہزار مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً 40 لاکھ ہے۔ (اَطلسُ القُرآن صفحہ 220 تا 222)

اصحاب الرّس کا علاقہ: (1) فلج، یمامہ کا علاقہ (2) قوم ثمود کے ایک قبیلے کا علاقہ (3) آذربائیجان یا ارّان (داغستان) کی ایک وادی (4) حضرموت کی ایک بستی

سورۃ الفرقان آیت 39 کی تفسیر میں حضرت خلیفہ نورالدین فرماتے ہیں:

''اَصْحٰبُ الرَّسِّ'' میں نے اس کے متعلق بہت تحقیقات کی ہے۔ کوئی کتاب ان کے حالات کی نہیں ملی ہاں قرآن مجید میں تدبّر کرنے سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد حضرت یوسفؑ کو کنویں میں ڈالنے والے ہیں۔ (حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 248)

حضرت مصلح الموعود فرماتے ہیں: کنویں والے لوگوں کے متعلق مفسرین نے بہت اختلافات کیا ہے مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم ثمود کے بعد گزری تھی اور بحرِ محیط نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ کیونکہ اس میں حضرت ابن عباسؓ کا قوم لکھا ہے کہ یہ قوم ثمود کا حصہ تھی۔ چونکہ ثمود کا آخری حصہ تھے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ نسلِ اسماعیل کے عرب میں پھیلنے سے پہلے یہ لوگ گزرے ہیں جب نسل عرب میں پھیل گئی تو یہ لوگ شمال کی طرف فلسطین کی جانب چلے گئے جیسا کہ قدیم آثار سے پتہ لگتا ہے۔

(دیکھو العرب قبل الاسلام مصنّفہ جرجی زیدان)

❁❁❁

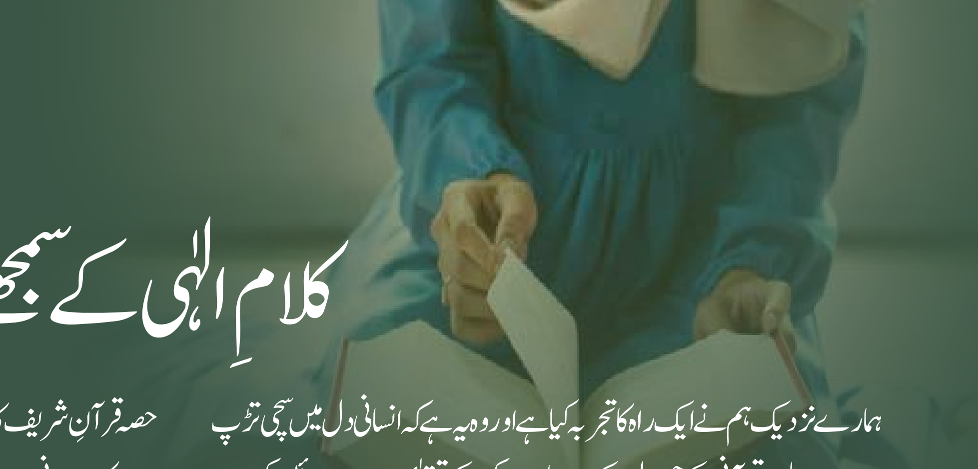

کلامِ الٰہی کے سمجھنے کے اُصول

ہمارے نزدیک ہم نے ایک راہ کا تجربہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسانی دل میں سچی تڑپ اور پیاس علومِ قرآنی کے حصول کے واسطے پیدا کر کے تقوٰی نام سے دعائیں کرے اور اس طرح سے قرآن شریف شروع کرے۔ دورِ اوّل: خود تنہا ایک مترجم قرآن شریف لے کر جس کا ترجمہ لفظی ہو انسان کی اس نے اپنی ملاوٹ کچھ نہ ہو اور اس کے واسطے مَیں شاہ رفیع الدین صاحب علیہ الرحمۃ کا ترجمہ پسند کرتا ہوں لیکن ہر روز بقدر طاقت بلاناغہ کچھ حصہ قرآن کا پڑھا کرے اور لفظوں کے معنوں میں غور کرے پھر جہاں آدم اور شیطان کا حال مذکور ہو اپنے نفس میں غور کرے کہ آیا میں آدم ہو یا ابلیس موسیٰ ہوں کہ فرعون۔ مجھ میں یہودیوں کے خصائل ہیں یا کہ مسلمانوں کے۔ اور اسی طرح سے عذاب کی آیات سے ڈرے اور پناہ مانگے اور رحمت کی آیات سے خوش ہو اور اپنے کو رحمت کا مورد بننے کے واسطے دعائیں کرے۔ ہر روز درود، دعا، استغفار اور لاحول پڑھ کر شروع کرے اور اسی طرح ختم کرے۔ اسی طرح سے دَورِ اوّل ختم کر دیوے۔ اور اس دَور میں ایک نوٹ بک پاس رکھے مشکل مقامات اس میں نوٹ کرتا جاوے پھر دَورِ دوم شروع کرے اور اس میں اپنی بیوی کو سامنے بٹھا کر سناوے اور یہ جانے کہ قرآن شریف ہم دونوں کے واسطے نازل ہوا ہے بیوی خواہ توجہ کرے یا نہ کرے یہ سُنائے جاوے اور پہلے دَور کی نسبت کسی قدر بسط کرتا جاوے اور پہلے طریق کی طرح اس دَور کو بھی ختم کرے اور وہ پہلی نوٹ بُک پاس رکھے اور اسے دیکھتا رہے پھر اس دَور میں یہ دیکھے گا کہ بہت سے وہ مشکل مقامات جو دَورِ اوّل میں نہیں سمجھا تھا اس دَور میں حل ہو جائیں گے۔ اس دَورِ ثانی کی بھی ایک الگ نوٹ بُک تیار کرے۔

پھر اسی طرح دَورِ ثالث سے شروع کرے اور گھر کے بچوں، عورتوں اور پڑوسیوں کو بھی اس دَور میں شامل کرے مگر وہ لوگ ایسے ہوں کہ کوئی اعتراض نہ کریں اور پہلی اور دوسری دونوں نوٹ بُکیں اپنے سامنے رکھے اس طرح اس دور میں دیکھے گا بہت سے مشکلات جو پہلے دونوں دَوروں میں حل نہ ہوئے تھے اس دفعہ حل ہو جاویں گے۔ اس دَور کی ایک الگ نوٹ بُک تیار کرے۔

دَورِ ثالث کے بعد چوتھا دور عام مجمع کے سامنے شروع کرے مگر سامعین ہوں۔ ان کے اعتراضات وغیرہ کے اگر جواب آتے ہوں تو دیتا جاوے ورنہ نوٹ بُک میں نوٹ کرتا جاوے اور ان کے حل کے واسطے اللہ تعالیٰ کے حضور دردِ دل سے دعائیں کرتا رہے اور پانچواں دَور شروع کر دے اور بلا امتیاز مسلمان و مشرک، کافر و مومن کو سنانا شروع کر دے اللہ تعالیٰ کا فضل اور فیضان اس کے شاملِ حال ہو گا اور ایک بہت بڑا حصہ قرآن شریف کا اسے سکھا دیا جاوے گا اور باریک در باریک حقائق و معارف اور اسرار کلامِ ربّانی اس پر کھولے جاویں گے۔ غرض یہ ہمارا مجرّب اور آزمودہ طریقہ ہے پس جس کو قرآن سے محبت اور علومِ قرآن سیکھنے کی پیاس اور سچ کی تڑپ ہو وہ اس پر کاربند ہو کر دیکھ لے۔ یاد رکھو کہ قرآنِ شریف پڑھو اس لیے کہ اس پر عمل ہو۔ ایسی صورت میں اگر تم قرآن شریف کھول کر اس کا عام ترجمہ پڑھتے جاؤ اور شروع سے اخیر تک دیکھتے جاؤ کہ تم کس گروہ میں ہو کیا منعم علیھم ہو یا مغضوب ہو یا ضالّین ہو اور کیا بننا چاہیے۔ منعم علیھم بننے کے لیے سچی خواہش اپنے اندر پیدا کرو پھر اس کے لیے دعائیں کرو۔ جو طریق اللہ تعالیٰ نے انعامِ الٰہی کے حصول کے رکھے ہیں ان پر چلو اور محض خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے واسطے چلو۔ اس طریق پر اگر صرف سورۃ فاتحہ ہی کو پڑھ لو تو میں یقیناً کہتا ہوں کہ قرآنِ شریف کے نزول کی حقیقت کو تم نے سمجھ لیا اور پھر قرآن شریف کے مطالب و معانی پر تمہیں اطلاع دینا اور اس کے حقائق و معارف سے بہرہ ور کرنا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور یہ ایک صورت ہے مجاہدہ صحیحہ کی۔ (حقائق الفرقان جلد اوّل صفحہ 2 تا4) ❀❀❀

نظامِ آسمانی

میمونہ اقبال مجوکہ، جوہر آباد (پاکستان)

نظامِ آسمانی کا اب ہو چکا آغاز ہے
اِس میں ہی پوشیدہ زندگی کا راز ہے
خلافت اب زمیں پہ اک زندہ حقیقت ہے
اِس کے دم سے ہی پیدا حیاتِ سوز و ساز ہے
وہ پیارا خدا کا جو سارے دلوں میں بستا ہے
وہی آقا، وہی مسرور، اُسی پہ ہم کو ناز ہے
ہر اک آفت دعاؤں سے ہماری ٹال دیتا ہے
خدا کے اِس پیارے کا یہ عجب پیارا انداز ہے
سنو لوگو! وہ زندہ خدا اب بھی بولتا ہے
نیک پاک روحوں کا وہ آج بھی ہمراز ہے

❀❀❀

آبگینے
پہلا عالمی خواتین آن لائن مشاعرہ

مورخہ 22 مئی عباسی اکیڈمی لندن کے زیرِ اہتمام رسالہ آبگینے کے پہلے عالمی خواتین آن لائن مشاعرے کا انعقاد کیا گیا جس میں دنیا بھر سے معروف شاعرات کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس مشاعرے کا مقصد قدیم ادبی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے شاعرات کو اپنا کلام پیش کرنے کا موقع فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف ممالک میں موجود اعلی ادبی ذوق رکھنے والی بہنوں کو گھروں میں بیٹھے ہوئے انکے ادبی ذوق کی تسکین کے لئے ایک معیاری ادبی ماحول اور پلیٹ فارم مہیا کرنا تھا جس میں اللہ کے فضل سے ادارہ بے حد کامیاب رہا۔ اس تاریخ ساز مشاعرے کی مہمان خصوصی محترمہ امتہ الباری ناصر صاحبہ تھیں۔ مشاعرہ سامعین تک پہنچانے کے لئے زوم لنک پر پریزنٹیشن کے ذریعے بہترین انتظام کیا گیا تھا۔ یوٹیوب پر تقریباً چار ہزار آٹھ صد سے زائد بہنوں نے اس مشاعرے کو سنا۔ یہ مشاعرہ مسلسل چھ گھنٹے کی طویل ترین پیشکش تھا۔ اتنا طویل مشاعرہ ہونے کے باوجود سامعین کی دلچسپی برقرار رہی۔ سامعینِ مشاعرہ نے اپنی بہترین حوصلہ افزائی اور ستائش کے ذریعے انتظامیہ کی بہت حوصلہ افزائی کی اور اس کامیاب مشاعرے کو بے حد سراہا۔

مشاعرہ لندن وقت کے مطابق تین بجے سہ پہر شروع ہوا۔ تلاوت کلام پاک اور نظم کے ساتھ مشاعرے کا آغاز ہوا۔ نظامت کے فرائض مدثرہ عباسی صاحبہ اور (خاکسار) حمیرا نگہت نے سرانجام دیئے۔ اس مشاعرے میں دینا بھر سے شاعرات نے شرکت کی اور مشاعرے کو کامیاب بنایا۔ مشاعرے میں پان، گجروں اور میوہ جات کا خصوصی انتظام کیا گیا تھا۔

محترمہ امتہ الباری صاحبہ نے اپنے خوبصورت دعائیہ کلام سے مشاعرے کا بہت پیارا سماں باندھا

حسب روایت خاکسار نے اپنے دو اشعار سامعین مشاعرہ کی نذر کئے۔

اسے عشق کی حد تک چاہ کے بھی یہ شوق مرا کم نکلا ہے
مری پیاس نے ایڑیاں رگڑی ہیں پھر لطف کا زم زم نکلا ہے
اسے ڈھونڈا ساری عمر مگر لگتا تھا یہی ناکام رہے
اس چوکھٹ پر آ پہنچے ہیں یہ دیکھ کہاں دم نکلا ہے

حمیرا نگہت

مشاعرے میں شاعرات کے تعارف اور نمائندہ اشعار کے ساتھ شاعرات کو دعوت کلام دی جاتی رہی اور شاعرات کے اعزاز میں ایک خوبصورت استقبالیہ شعر پیش کیا جاتا رہا۔ جس کی وجہ سے سامعین و شاعرات کی دلچسپی بڑھتی رہی۔

سب سے پہلے ناروے سے شامل ہونے والی خوبصورت لب و لہجے کی شاعرہ محترمہ نبیلہ رفیق صاحبہ نے اپنا کلام پیش کیا انکا ایک خوبصورت شعر کچھ یوں ہے

ہم نے اپنی مانگ میں خود ہی ستارے بھر لئے
شہر میں کیدو بہت تھے ایک بھی رانجھا نہ تھا

ان کے بعد منصورہ من جو بھارت سے ہمارے ساتھ شامل تھیں انہوں نے اپنے خوبصورت کلام سے سامعین کو محظوظ کیا ان کا نمائندہ شعر پیش خدمت ہے

ہزاروں غم ہیں جو نوک قلم پہ لرزاں ہیں
لکھوں جو خونِ جگر سے وہ تذکرے ہیں بہت

پھر امتہ الرشید بدر صاحبہ (پاکستان) نے اپنا کلام پیش کیا

جلوہ کناں آفاق میں ہر سمت اسکا حسن
مخفی بھی ہے وہ دلبرم سو سو حجاب میں

گاہے گاہے شاعرات و سامعینِ مشاعرہ کو پان اور مشروبات پیش کئے جاتے رہے۔ مشاعرے نے گزرے لمحوں کے ساتھ ساتھ اپنا خاص رنگ جمالیا تھا اور سب سننے والے شاعرات کو بھرپور داد سے نواز رہے تھے۔

ایک شاعرہ ندرت جہاں جو جرمنی سے شاملِ مشاعرہ تھیں نے اپنی ایک بہت پیاری نظم پیش کی

اے عمرِ رواں کچھ دیر کو رک

ان کے بعد امتہ الجمیل سیال صاحبہ (جرمنی) نے نہایت مترنم آواز میں اپنی خوبصورت غزل سنا کر خوب سماں باندھا اور خوب داد سمیٹی۔ ان کا نمائندہ شعر کچھ یوں ہے

ہم زندگی کی آس میں جیتے چلے گئے
میٹھا زہر سرور سے پیتے چلے گئے

ان کے بعد منزہ خیام صاحبہ (برطانیہ) نے اپنا کلام سنایا

وہ جو انجان راہوں میں ہم سے ملا
اس مسافر کی یادوں میں جلتے رہے

ان کے بعد کنیز بتول صاحبہ (پاکستان) کے کلام نے محفل پر خوب اپنا رنگ جمایا اور سامعین سے خوب داد سمیٹی

ہونٹوں پہ جاں نثار ہیں کوثر کی آیتیں
پورے کا پورا لگتا ہے قرآن کی طرح

فاخرہ چوہدری صاحبہ ہالینڈ سے ہمارے ساتھ تھیں ان کا نمائندہ شعر کچھ یوں ہے

ڈرتے ڈرتے گزرا اب کی بار یہ پچھلا سال
ہنستے ہنستے گزرے مالک اپنا ہے جو اگلا سال

مشاعرے کی خاص بات شرکاء مشاعرہ کی بھرپور داد تھی جو سارے مشاعرے میں شاعرات کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ محفل کی رونق بھی بڑھاتی رہی۔

امتیاز بٹ صاحبہ جن کا تعلق پھولوں کے دیس ہالینڈ سے ہے انہوں نے مشاعرے میں اپنا کلام بہت خوش الحانی سے پڑھا اور سامعین پر ایک سرور طاری کئے رکھا اور خوب داد سمیٹی

پھولوں کی سرزمین سے سوغات لائے ہیں
عنبر گلاب سے ڈھلے جذبات لائے ہیں

انکے بعد بشریٰ اسلم صاحبہ (جرمنی) نے اپنا شگفتہ کلام سامعین کی نذر کیا۔ ان کے بعد نور الصباح صاحبہ (جرمنی) نے اپنا کلام پیش کیا۔ ان کے بعد منصورہ سلیم صاحبہ (انگلینڈ) نے اپنے خوبصورت کلام سے سامعین کو محظوظ کیا اور خوب داد حاصل کی۔

لفظ سارے بے اثر ہیں جانتی ہوں میں
بات دل کی کہہ سکیں یہ ہنر نہیں آیا

ان کے بعد خوبصورت لب و لہجے کی شاعرہ بشریٰ بختیار صاحبہ (انگلینڈ) نے اپنے کلام سے سامعین کے دل موہ لئے اور خوب داد پائی جن کا نمائندہ شعر کچھ یوں ہے

کسی سے پیار کریں بے مثال کرتے ہیں
ہم اس کا خود سے زیادہ خیال رکھتے ہیں

ان کے بعد شوکت سلطانہ صاحبہ (جرمنی) نے اپنا کلام خوبصورت آواز میں سنایا اور خوب داد سمیٹی

لوگ دیوانے ترے ہوجائیں گے شوکت خود ہی
شاعری جیسی بھی ہو بس گانی آنی چاہئے

امتہ المنان صاحبہ ناروے سے ہمارے ساتھ تھیں ان کا کہنا ہے

کہاں تھے کہاں سے کہاں آگئے ہم
سنائیں تمہیں کیا جہاں آگئے ہم

ان کے بعد باری تھی سعدیہ تسنیم صاحبہ (جرمنی) کی جنہوں نے اپنے خوبصورت کلام سے مشاعرے کی رونق کو دوبالا کیا اور خوب داد سمیٹی جن کا کہنا ہے

سر قلم اور ہوئے ہاتھ بریدہ صاحب
ہم نے لکھا نہیں شاہوں کا قصیدہ صاحب

اسکے بعد صدف علیم صاحبہ (کینڈا) سے اپنا کلام پیش کیا جو کہتی ہیں

تیری چشم ناز کا کیا کہوں میں نے سارا ضبط گنوا دیا
تجھے روح میں اپنی بسالیا ساری احتیاط دھری رہی

ان کے بعد صدف صاحبہ (جرمنی) نے اپنا کلام پیش کیا جن کا کہنا ہے

وہ دن سعید عید ہے جس میں غریب شامل ہوں
وہی تو عید ہے جس میں غریب شامل ہوں

اسکے بعد بشارت سکھی صاحبہ (جرمنی) نے اپنا کلام پیش کیا جن کا نمائندہ شعر ہے

لب کشا ہوں تو دل و روح پہ قبضہ کر لوں
ایسی تاثیر بخشی ہے مجھے گفتار کے ساتھ

شبرہ خان برطانیہ سے مشاعرہ میں شامل تھیں جنھوں نے اپنے کلام سے مشاعرے کی رونق بڑھائی جن کا کہنا تھا

شہر نے جب نگل لیا جنگل
راہگزاروں نے خودکشی کر لی

ان کے بعد ہر دل عزیز طاہرہ زرتشت صاحبہ (ناروے) نے ترنم سے اپنا کلام پیش کیا اور خوب داد وصول کی جن کا خوبصورت شعر کچھ یوں ہے

جینا نہیں اپنے لئے اے ہم نفس جینے کا نام
ہے زندگی تو دوسروں کے واسطے جینے کا نام

ان کے بعد ریحا اظہر صاحبہ (برطانیہ) نے اپنے کلام کو خوش الحانی سے پیش کر کے مشاعرہ میں خوب سماں باندھا جن کا کہنا ہے

رات ہے اماوس کی دل مگر یہ کہتا ہے
کھڑکیوں میں آئے گا چاند مسکرانے کو

انکے بعد نفیسہ محمود صاحبہ (آسٹریلیا) نے اپنا کلام پیش کیا جو کہتی ہیں

کبھی پونچھا تھا جو آنچل سے آنسو
وہیں پر اک گرہ کو باندھنا ہے

ان کے بعد امتہ القدوس صاحبہ (ناروے) نے اپنی خوبصورت آواز میں اپنا کلام پیش کیا اور مشاعرے کی رونق بڑھائی جن کا کہنا ہے

وطن سے دور مسلم ہوں وطن جاؤں تو کافر ہوں
میں خود کیا ہوں بتانے کی اجازت مجھ کو دے دو ناں

انکے بعد شازیہ افروز صاحبہ (جرمنی) نے اپنی بہت پیاری آواز میں اپنا کلام پیش کیا اور خوب داد حاصل کی جن کا ایک شعر کچھ یوں ہے

تن پہ قبائے ہمت عزم و عمل رہے
سر پر جیائے دیں کی ردا ہو مرے خدا

ان کے بعد ساجدہ تبسم صاحبہ (جرمنی) نے اپنا کلام پیش کیا جو کہتی ہیں

ہے دل پہ چھائی گو یاس کی سیاہ چادر
ستارے میری امنگوں کے جھانکتے نکلے

ان کے بعد شازیہ زاہد صاحبہ (جرمنی) نے اپنا کلام پیش کیا۔ ان کے بعد صفیہ چیمہ

صاحبہ (جرمنی) نے اپنا کلام پیش کیا اور مشاعرے کے ماحول میں اپنے رنگ بھرے جن کا کہنا ہے۔

میرے بس ہوں تو کبھی کہیں
کوئی ایسا شہر بساؤں میں

ان کے بعد ہر دل عزیز شاعرہ فوزیہ بٹ صاحبہ (انگلینڈ) نے اپنے خوبصورت کلام سے محفل میں ہلچل مچائی اور محفل کو کشتِ زعفران بنایا اور سامعین سے خوب داد وصول کی جن کا کہنا ہے

بند پلکوں پہ جو دے دیتی ہیں بوسہ یادیں
پھر تو بس روتے ہوئے رات ہماری نکلے

مبارکہ منگلا صاحبہ نے کینڈا سے اپنا کلام سنایا جن کا کہنا ہے

دنیا ہے حد سے بڑھ گئی رسم و رواج میں
اب اسکا سدباب ضروری سا ہوگیا

ان کے بعد خوبصورت لب لہجے کی شاعرہ فوزیہ شاہ (شارجہ) نے اپنے خوبصورت کلام پیش کیا جن کا کہنا ہے

عشقے دی تحریر دے ٹوٹے ہوگئے نیں
انج لگیا تقدیر دے ٹوٹے ہوگئے نیں

ان کے بعد مبارکہ ابرار صاحبہ (کینڈا) سے اپنا کلام پیش کیا جن کا نمائندہ شعر کچھ یوں ہے

یہ جو عطر آمیز فضائیں ہیں یہ مہک اٹھے ہیں جو بام و در
وہ کمال چہرہ ہے روبرو جو دلکشی میں کمال ہے

عاصمہ صاحبہ انگلینڈ سے ہمارے ساتھ شامل تھیں ان کا نمائندہ شعر کچھ یوں ہے

میرے ہی پیار میں کچھ تھی کمی مگر تیری
نگاہ لطف نے ہی ہم کو تو سنوارا ہے

ان کے بعد ایک بہت پیاری شاعرہ خنساء رفعت صاحبہ (انگلینڈ) نے اپنا خوبصورت کلام پیش کیا جن کا نمائندہ شعر پیش ہے

دیکھ کے آنکھ کا پھیلا ہوا آنچل جاناں
مجھ پہ اس سرمئی شام کا الزام نہ دے

مشاعرے کے آخر پر نصرت مجید صاحبہ (جرمنی) نے اپنا کلام سنایا اور داد سمیٹی جن کا کہنا ہے

دلوں کا زہر دھیرے سے زبانوں تک نہ آجائے
میں اپنے گھر میں تو ہر کو کبھی بونے سے ڈرتی ہوں

اداس دلوں کے ساتھ اس مشاعرے کا اختتام ہوا۔

کرونا کی وجہ سے بہت دیر کے بعد ایک ایسی محفل سجی تھی جس میں دنیا بھر سے شاعرات اور سامعین نے شرکت کی اس لئے سب بہت شادماں تھے لمبے عرصے بعد بہنوں کی زوم اور یوٹیوب پر ہی سہی مگر لمبی ملاقات ہوئی تھی تقریباً چھ گھنٹے ایک ساتھ گزارے اور اس ادبی محفل سے سب نے بھرپور لطف اٹھایا۔ ان حالات میں یہ مشاعرہ یقیناً ایک یادگار مشاعرہ ہے جو سامعین اور شاعرات کے دلوں میں دیر تک تروتازہ رہے گا۔

حمیرا نگہت (انچارج گوشۂ ادب)

ظاہری حسن

تحریر: قرۃ العین فاروق حیدرآباد

ارے سلمیٰ کے کپڑے دیکھے تھے اتنے اچھے تھے لگتا تھا کہ کسی بڑے برانڈ سے لیے ہوں گے، ارے غزالہ کا میک اپ اور بالوں کا اسٹائل دیکھا لگتا تھا کہ کسی بڑے اور مشہور بیوٹی پارلر سے تیار ہوئی ہو گی، ارے شگفتہ کی جیولری اور پرس دیکھا تھا بہت مہنگے لگ رہے تھے ہاں بھئی اتنے امیر گھرانوں سے تعلق ہے ان کا ایسی مہنگی مہنگی چیزیں لے بھی سکتی ہیں ایسے جملے ہمیں اکثر ہی تقریبات سے واپسی پر سننے کو ملتے ہیں کہ فلاں خاتون کے کپڑے، جوتے وغیرہ وغیرہ لاکھوں کے لگ رہے تھے مگر ایسے جملے کہ فلاں خاتون اپنی زندگی سے کتنی خوش و مطمئن ہے وہ کیسی پرسکون لگ رہی تھی ایسے جملے شاذ و نادر ہی سننے کو ملتے ہیں۔

ہم نے لوگوں کا موازنہ ان ظاہری چیزوں سے کرنا شروع کر دیا ہے کہ جو جتنی مہنگی چیزیں پہنے ہوئے ہو گی اتنی ہی خوش ہو گی اور جس نے سادے کپڑے پہنے ہوں گے وہ ناخوش اور پینڈو وغیرہ ہو گی، ہم نے خوشیوں کا تعلق پیسوں سے جوڑ لیا ہے لوگوں کے مطابق جو جتنا مالدار ہے وہ اتنی ہی خوشگوار زندگی گزار رہا ہے سچی خوشی ہمارے اندر سے چھلک کر ہمارے چہروں سے ظاہر ہوتی ہے بڑی بڑی مہنگی مہنگی دکانوں سے مہنگی کریمیں خرید کر بھی کسی کا چہرہ مرجھایا ہوا لگتا ہے تو کوئی ایک عام سی ملتانی مٹی لگا کر بھی فریش اور کھلی کھلی لگتی ہے۔

پیسے سے انکار ممکن نہیں مگر پیسہ اتنا ہو کہ انسان کی ساری ضرورتیں پوری ہو سکیں مگر فضول خرچی کرنا، کسی اور کو دیکھ کر اس کی طرح کی چیزیں خریدنا بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں اگر کسی خاتون پر گھیر دار فراک اچھی لگتی ہے تو ضروری نہیں کہ ہر خاتون پر اچھی لگے گی ہمیں چیزوں کی خریداری کرتے وقت یا چیزیں استعمال کرتے وقت اپنا موازنہ خود کرنا ہو گا کہ ہم پہ کیا اچھا لگتا ہے اور کیا نہیں اور کس طرح کے کپڑوں اور دوسری چیزوں میں خود کو آرام دہ محسوس کرتیں ہیں۔

خوشی کا دارومدار چیزوں سے نہیں ہوتا اگر خوشی کا پیمانہ چیزوں سے ہونے لگے تو دنیا کا ہر مالدار شخص خوش ہوتا کیا خواتین کو اپنے اردگرد چیزوں کا انبار لگا کر خوشی ملتی ہے یا اپنے اردگرد اچھا ملنے والیوں، اچھے اخلاق والیوں سے، پیار محبت بانٹنے والیوں سے، یہ اندازہ انہیں خود لگانا ہو گا۔

پیسے کا بے دریغ استعمال، بناوٹی زندگی، شو شا یہ سب وقتی خوشیاں دینے والی چیزیں ہیں مگر اگر یہی پیسہ اپنے سے نچلے طبقے کی خواتین کی مدد کرنے یا سفید پوش لوگوں کی مدد میں صرف کریں تو دلی سکون پائیں گی اور یہ ہی نہیں بلکہ اپنی زندگی گزارنے کا کوئی مقصد بنائیں کسی ویلفیئر میں ہی سہی مدد کر کے تو دیکھیں۔

خواتین کب تک دوسروں کی ظاہری چیزوں، ظاہری خوبصورتی سے متاثر ہوتی رہیں گی ڈراموں یا فلموں کے کریکٹر کو سچ مان لینا ان کی چمک دمک سے متاثر ہونا کم عقلی ہے یہ لوگ سین شروع ہونے سے پہلے گھنٹوں اپنا وقت میک اپ، کپڑوں، جیولری وغیرہ کے انتخاب میں لگاتے ہیں ان کے اس گیٹ اپ کو بنانے میں پوری ایک ٹیم ہوتی ہے جو ان کی جسامت، رنگ اور عمر وغیرہ کے حساب سے کپڑے اور باقی تمام چیزیں تیار کرتی ہے۔

سلمیٰ، غزالہ، شگفتہ اور ایسی لاتعداد خواتین چاہے جتنی بھی مہنگی چیزیں استعمال کر لیں اگر وہ اپنی زندگیوں میں خوش نہیں، جو اتنا بے دریغ پیسہ لٹا کر بھی غمگین رہتیں ہوں تو ایسی وقتی شو شا کا، ایسے پیسے کے ضیاع کا کیا فائدہ دوسری طرف وہ خواتین جو گھر ہو یا کوئی تقریب اپنی زندگی میں خوش و مطمئن رہتی ہوں جو کسی سے مقابلہ بازی میں نہ پڑتیں ہوں وہ ظاہری خوشی دکھانے والیوں سے لاکھ درجے بہتر ہیں۔

❀❀❀

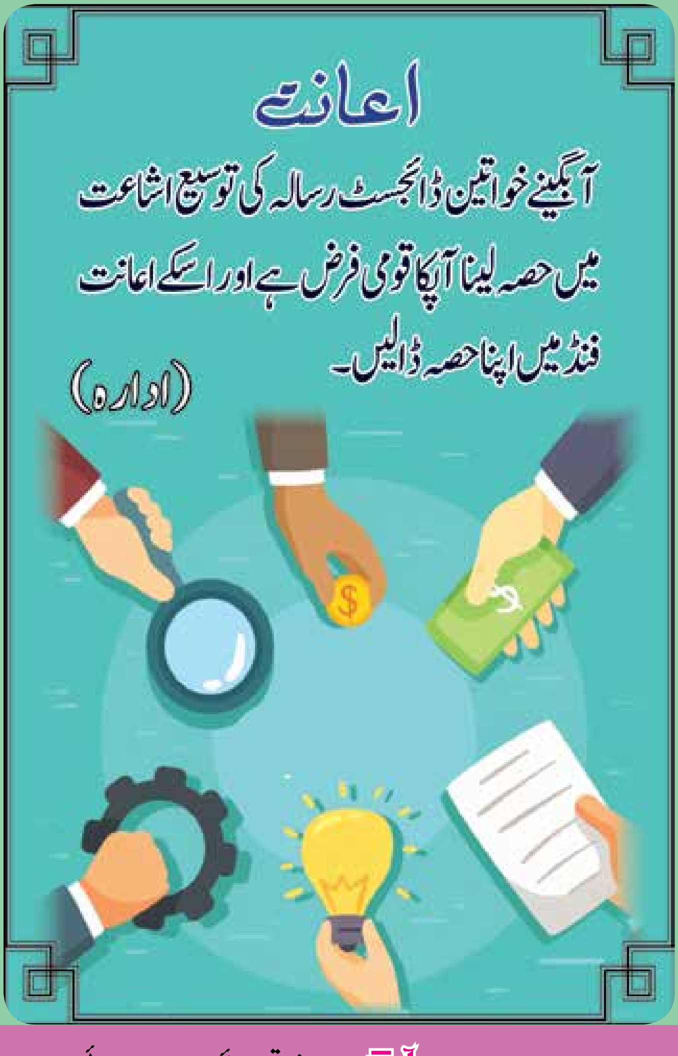

میں نے اکثر تجھے اس طرح چاہا جاناں

تحریر: نصرت مجید جرمنی

اے میری چندے آفتاب
چندے مہتاب کیا بتاؤں کہ

آج میرا دیوانہ دل تم سے اپنی چاہت کا اظہار کرنا چاہتا ہے اور ویسے بھی مجھے لگتا ہے کہ وہ مناسب وقت آ گیا ہے جب تمہاری محبت جو سالوں سے میرے دل میں ذخیرہ اندوز تھی تمہارے حوالے کر دوں...

اللہ معاف کرے ذخیرہ اندوزی بذات خود ایک گناہ ہے اس پر یہ کہ محبت کے باسی ہونے کا بھی ڈر ہو...

میں امید کرتا ہوں کہ تمہارے نزدیک میری محبت اتنی ہی قیمتی ہو گی جتنے کہ گزشتہ کچھ سالوں سے وطن عزیز میں چلغوزے...

لیکن سنو جاناں حالات دیکھ کر کچھ ڈر سا لگتا ہے

تمہیں کیا خبر ملک کے معاشی معاشرتی سیاسی اور اخلاقی حالات کی۔

تمہیں تو ہمیشہ سے ڈرامے پسند ہیں

وہ لمبے لمبے سوپ جس میں ساس بہو نہ خود کبھی سکون سے بیٹھیں نہ کسی کو بیٹھنے دیا۔

خیر مجھے تو تمہاری ہر ادا پسند ہے لیکن جاناں تھوڑا بہت حالات حاضرہ سے واقف رہا کرو انسان خوامخواہ ذہین ذہین سا محسوس ہوتا ہے۔

اچھا تو میں بتانا چاہ رہا تھا کہ عشق و وفا کے تو آجکل معیار ہی بدل گئے ہیں۔

تمہیں یاد ہے پچھلے وقتوں میں ایک لیلیٰ ہوا کرتی تھی... وہ لیلیٰ جو عشق و وفا کی پتلی سمجھی جاتی تھی لیکن افسوس کہ آج خود غرضی اور مفاد پرستی کی علامت بن گئی ہے جسکی تصدیق مندرجہ ذیل شعر سے ہوتی ہے۔

بقول شخصے... "لیلیٰ اب نہیں تھامتی کسی بے روزگار کا ہاتھ
مجنوں کو اگر عشق ہے تو کمانا چاہیے..."

میں ان محبت کے دشمنوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ چاہت میں کیا دنیاداری
اور عشق میں کیسی مجبوری...

اب تم ہی سوچو کہ مجنوں بے چارہ اگر کمائیوں کے چکر میں پڑ جائے تو گلیوں میں لیلیٰ لیلیٰ پکار کر رسوائیاں کون اور کب سمیٹے گا اور عشق کا نام کون روشن کرے گا... ؟

کیوں کہ مجنوں اور اسکے بھائی بندوں کا نظریہ یہ ہے کہ "بدنام جو ہونگے تو کیا نام نہ ہو گا... ؟"

ماں باپ نے عزت اور اسٹیٹس بنایا ہے تو ہماری بلا سے کیا ہم اتنی سی بات کے لئے عشق کرنا چھوڑ دیں... ؟

یا اللہ ان نام نہاد روشن خیال اور حقیقت پسندوں کو عقلِ سلیم عطا فرما انہوں نے تو دنیا کا چلن ہی بدل دیا ہے

اور وہ تبدیلی جو اب تک فقط خان سرکار کے نعروں میں ہی نظر آتی تھی

وہ تبدیلی اپنی بگڑی ہوئی شکل میں غالباً آ گئی ہے۔ اور جاناں مجھے تو لگتا ہے کہ

"ان عقل کے اندھوں کو الٹا نظر آتا ہے مجنوں نظر آتی ہے لیلیٰ نظر آتا ہے"

اچھا پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک اور سر پھرے شاعر صاحب نے تو یہاں تک کہہ دیا

"ہماری شرط وفا یہی ہے وفا کرو گے وفا کریں گے"

لو بھلا ان کو کیا سوجھی... بنئے تو ایسے ہی بدنام ہیں سودے بازیوں میں... بدلہ لینے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے

قرب قیامت کی نشانیاں ہیں کہ وفا کے بدلے وفا کا تقاضہ کیا جائے...

یہ تو ایک بے لوث خدمت ہے اگلا بندہ خواہ ذلیل کرتا رہے

لیکن متعلقہ بندے کا کام ہے کہ نہایت تن دہی اور مستقل مزاجی سے محبت کا پاکیزہ فریضہ انجام دیتا رہے دنیا کی لعن طعن سے بیگانہ ہو کر... کیونکہ بقول شاعر

"دنیا کب چپ رہتی ہے، کہنے دے جو کہتی ہے...
مت کر دنیا کی بات سجن، کہیں بیت نہ جائے رات سجن..."

اور اگلے مصرع میں تو شاعر موصوف نے چاہت کا جنازہ ہی نکال دیا۔

اور انتقامی جذبات سے مغلوب ہو کر کچھ یوں فرمانے لگے کہ "یہ پوچھنا کیا کہ خط لکھو گے... ؟ یہ پوچھنے کی نہیں ضرورت تمہاری مرضی پہ منحصر ہے لکھا کرو گے لکھا کریں گے..."

بندہ پوچھے محبوب کی سو مجبوریاں ہو سکتی ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ پڑھا لکھا نہ ہو جیسا کہ اکثر محبوب دنیا میں پائے جاتے ہیں یا نہایت شرمیلا ہو یا لکھنے لکھانے کی صلاحیتوں سے محروم ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مرزا غالب کے خطوط سے بعض وجوہات کی بنا پر کبھی استفادہ حاصل نہ کر سکا ہو یا یہ کہ اسکی ہینڈ رائٹنگ گندی ہو اور وہ اس معاملے میں نہایت حساس اور احساس کمتری کا شکار ہو ریٹن پروف دینے میں شرمندگی محسوس کرتا ہو...

(کل کو شادی ہونے کی صورت میں فریق ثانی اسے گندی ہینڈ رائٹنگ کے طعنے مار مار کر شرمندہ کرتا رہے... جیسا کہ اکثر ہوتا بھی ہے)

بیمار ہو۔ ہاتھ پر چوٹ لگی ہو۔ یا پھر گھر میں کوئی مناسب جگہ دستیاب نہ ہو دنیا کی نظروں سے بچ کر لو لیٹر لکھنے کی... اور گھر والوں کے سامنے وہ لکھنے میں کمفرٹیبل نہ ہو... وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ناں جی...

ہمیں تو اب برابر کا بدلا ہی چاہیے بس... بندہ پوچھے رہتی دنیا تک نام ایسے ہی تو زندہ نہیں رہتے ناں...

قربانیاں دینی پڑتی ہیں آخر اور عشق و وفا میں بھلا ایک کماؤ پوت کی ضرورت تھوڑی ہوتی

ہے یہ تو بذاتِ خود ایک فل ٹائم جاب ہے
جس میں بھوک پیاس اور پہننے اوڑھنے کا ہوش ہی کس کافر کو ہوتا ہے بھلا... بقول ایک اور دل جلے شاعر کے

”دکھاں دی روٹی

سولاں سالن

آہیں دا بالن بال نیں...“ بس جاناں یہ دکھ بھری داستان تو بہت ہی لمبی ہے... چلو گولی مارو ان سیکیولر دماغوں کو... اب میری سنو کہ میں نے تمہیں کس طرح سے چاہا ہے اکثر و بیشتر...

میں نے اکثر تجھے اِس طرح چاہا جاناں
جس طرح داد کو ترسے کوئی شاعر جاناں
جس طرح فِیس کو پکڑے کوئی لائر جاناں
تو ضروری ہے میری سانس چلانے کے لئے
جس طرح لازمی گاڑی کے دو ٹائر جاناں
ہر گھڑی بیک مرر پر ہو چمکتا چہرہ
جس طرح چاہے کوئی بس کا ڈرائیور جاناں
دلِ نادان ترے ساتھ کو ایسے چاہے
ہر گھڑی سیل کو چاہے کوئی بائر جاناں
دل کے لاکر میں ہیں یادوں کے خزانے ایسے
جیسے پینشن کوئی خرچے ہے ریٹائر جاناں
چاند تارے میں سبھی توڑ کے آنگن بھر دوں
رینج روور بھی میں کر لوں کوئی ہائر جاناں
میری یادوں میں سُلگتی رہیں باتیں تیری
اور دشمن کو بھی لگتی رہی فائر جاناں
میں نے اکثر تجھے اِس طرح چاہا جاناں

❁❁❁

مصر کی ایک معلمہ کا ایک سبق آموز واقعہ

وہ معلمہ ہمیشہ اپنے شاگردوں کو نصیحت کرتی تھی کہ قرآن پاک کی اس آیت کے مطابق زندگی گزاریں

”وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى“ (سورۃ طٰہٰ۔84)

ترجمہ (اے پروردگار میں نے تیری طرف آنے میں جلدی کی تاکہ تو خوش ہو)

وہ کہا کرتی تھیں کہ میں اس آیت سے بہت متاثر ہوں جب بھی میں اذان کی آواز سنتی ہوں اور اگر میں کسی بھی کام میں مصروف ہوں، میں اپنے آپ کو یہ آیت یاد دلاتی ہوں اور سب کچھ چھوڑ کر نماز ادا کرنے کھڑی ہوجاتی ہوں رات کو 2:00 بجے جب تہجد کا الارم بجتا ہے اور میں گہری نیند میں مزید سونا چاہتی ہوں تو یہ آیت مجھے یاد آتی ہے اور مجھے جگاتی ہے۔

اس خاتون کے شوہر کی عادت تھی کہ کام سے واپس گھر آتے وقت وہ اسے فون پر کھانے کے متعلق ہدایات دیتا تاکہ اس کے گھر پہنچنے پر گرما گرم کھانا تیار ملے اور وہ کھانا کھا کر سو جائے۔ ایک دن اس نے فون پر محشی کھانے کی فرمائش کی (انگور کے پتوں میں چاول بھرے جاتے ہیں اور پھر ان کو ہلکی آنچ پر پکنے رکھا جاتا ہے بہت وقت طلب ڈش ہے) اتنی دیر میں اذان کی آواز سنائی دی تو اس کے صرف تین رولز رہ گئے تھے (جن کے بھرنے میں زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ لگتے) لیکن اس نے حسب عادت سب کام چھوڑے اور نماز ادا کرنے کھڑی ہوگئی، اس خاتون کا شوہر اسے بار بار فون کرتا رہا لیکن کوئی جواب موصول نہیں ہوا جب وہ گھر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی سجدے میں ہے اور کھانا ابھی تک تیار نہیں ہے اس نے دیکھا کہ صرف تین رولز بھرنے رہ گئے ہیں تو اسے شدید غصہ آیا اور اسی غصے کے عالم میں اس نے اپنی بیوی کو ڈانٹنا شروع کر دیا:

”تم اپنا کام ختم کر کے دیگچی چولہے پر رکھ کر بھی نماز ادا کر سکتی تھی، تین رولز بنانے میں کتنی دیر لگتی ہے“ لیکن اس کی بیوی کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا جب وہ اس کے پاس آیا تو دیکھا کہ سجدے کی حالت میں اس کا انتقال ہو چکا ہے۔

سبحان اللہ اگر اس نے ہماری طرح یہ سوچا ہوتا کہ چلو کوئی بات نہیں پہلے اپنا کام ختم کر لیتے ہیں پھر نماز پڑھ لیں گے تو اس کا انتقال کچن میں ہوتا۔ لیکن ایک شخص کا انتقال اسی حالت میں ہوتا ہے جس پر وہ ساری زندگی گزارتا ہے اور اسی حالت میں وہ دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ ہمارے آقا حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس میں وہ فوت ہوا۔ آیئے آج ایک عہد کریں۔۔۔

بہنوں کے لئے: جیسے ہی اذان کی آواز سنائی دے سب کام ایک طرف رکھیں اور نماز کے لئے اٹھ کھڑی ہوں (زیادہ سے زیادہ 20 منٹ تک جو کہ اقامہ ٹائم بھی ہے)

ہمارے آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب عمل کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا نماز کو اس کے اولین وقت میں ادا کرنا۔

بھائیوں کے لئے: جیسے ہی آپ اذان کی آواز سنیں فوراً وضو کریں اور مسجد چلے جائیں۔

اپنے آپ کو یہ آیت بار بار یاد دلاتے رہیں وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى (سورۃ طٰہٰ 84)

ترجمہ (اے پروردگار میں نے تیری طرف آنے میں جلدی کی تاکہ تو خوش ہو)

❁❁❁

منقول

شکریہ ساسو ماں

زندگی کے 22 سال میری ماں مجھے وہ سب کچھ نہیں سکھا سکی۔ جو چند سالوں میں میری ساس نے سکھایا۔

یقین نہیں آیا نا... ؟

چلیں۔ میں آپکو بتاتی ہوں۔

آج صفائی ٹھیک سے نہیں ہوئی۔ سالن صحیح نہیں بنا۔ روٹی پر روپ نہیں ہے۔

یہ برتن کیسے دھوئے تم نے... ؟ تمہاری پسند تو بلکل اچھی نہیں۔ کوڑا پسند کرتی ہو۔ تمہارے میکے والوں کو سمدھیوں سے نبھانے کی تمیز نہیں۔

تمہیں خود کچھ نہیں آتا۔ تو بچوں کو کیا سکھاؤ گی... ؟

تمہارا رنگ کیسا عجیب ہے اور بال تو بالکل اچھے نہیں۔

یہ وہ سارے جملے ہیں جو سارا سارا دن کام میں جتے ہوئے میرے کانوں میں ڈالے جاتے ہیں۔

لیں جی ارم بی کی ساری ڈگریاں، ساری قابلیت، تربیت، سگھڑاپا، سب گیا چولہے میں۔ بس

”پھر یوں ہوا کہ صبر کی انگلی پکڑ کے ہم اتنا چلے کہ راستے حیران رہ گئے“

شادی سے پہلے ذرا دل دکھنے پر گھنٹوں رونے والی نے دل پر پتھر رکھ لیا۔

میری ماں کو میری وجہ سے پریشانی نہ ہو۔ کوئی تکلیف نہ ہو۔ ہر بات دل میں قبر بنا کر دفنانی شروع کر دی۔

جس باپ نے ساری زندگی سر اٹھا کر جینا سکھایا۔ اس کا سر میری وجہ سے جھکے۔ یہ میں مر کر بھی ہونے نہیں دونگی۔ سو کبھی باپ کو خبر نہیں ہونے دی کہ ان کی لاڈلی پر کیسے کیسے تیر آزمائے جاتے ہیں۔

ان سب کے باوجود میں نے اپنی ساس سے بہت کچھ سیکھا۔

میں نے سیکھا کہ ہر وقت کی تنقید انسان کو کیسے کھوکھلا کر دیتی ہے۔ سو میں نے کسی پر بھی تنقید کرنا چھوڑ دی۔

میں نے سیکھا کہ مجھے ڈی گریڈ کرنے کے لیے وہ میری ہر بات کو رد کرتی ہیں تو میں اپنی ہی نظروں میں کسطرح گر جاتی ہوں۔ سو میں نے دوسرے کی باتوں کو اہمیت دینا سیکھا۔

جب آپ کے گھر والوں پر بہانے بہانے سے دنیا کے سب سے گھٹیا خاندان ہونے کا الزام لگتا ہے۔

اک آگ سی سینے میں رہ رہ کے ابلتی ہے، نہ پوچھ
فیض، کہتے ہیں کہ میرے دل پر مجھے قابو ہی نہیں رہتا ہے

پر اپنے دل پر قابو رکھنا مجھے میری ساس کی وجہ سے آیا۔

میں نے سیکھا کہ آپ کی شخصیت میں دن رات کیڑے نکالے جائیں تو آپ کی شخصیت عدم توازن کا شکار ہو جاتی ہے۔ سو میں نے دوسروں کی تعریف کرنا سیکھ لی۔ مگر اس میں منافقت شامل نہ ہو۔

میں نے سیکھا کہ دوسروں کی زندگی میں پریشانی اور تکلیف کی بجائے آسانی دینے میں جو خوشی ملتی ہے۔ وہ انمول ہے۔

میں نے سیکھا کہ دوسرے کے متعلق سچ کو اس کے منہ پر دے مارنے سے اچھا ہے کہ انسان خاموش رہ کر تھوڑا سا برداشت کر لے۔

دل دکھانے والی باتوں پر دکھے دل اور نم آنکھوں کے ساتھ
ان اللہ مع الصابرین۔ کا ورد آپکو کتنا سکون عطا کرتا ہے۔ میں نے یہ بھی جانا۔

میں نے سیکھا کہ ہر انسان کو دوسرے کے ساتھ کمپیئر کرنا غلط ہے۔ ہر انسان میں اللہ نے کوئی نہ کوئی ایسی قابلیت رکھی ہے۔ جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔

میں نے سیکھا کہ دل دکھانا سب سے بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ دلوں میں میرا رب بستا ہے۔

میری ماں نے میری جسمانی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔ مگر میری ساس میری روحانی پرورش میں معاون ثابت ہوئی۔

پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا ہے۔ کل تک جو زبر تھا۔ وہ زیر ہے۔ اور جو زیر تھا، وہ زبر ہے۔ آج پورے گھر پر میرا کنٹرول ہے۔ اللہ نے مجھے اتنا دیا کہ اس کا شکر ادا نہیں کر سکتی۔ میری ساس بوڑھی اور کمزور ہے۔ لیکن آج میں ان کے ساتھ وہ سب نہیں کرونگی جو انہوں نے میرے ساتھ کیا۔

کیونکہ میرے اللہ نے مجھے بہترین بات سکھائی ہے۔

ولمن صبر وغفر ان ذالك لمن عزم الامور

مفہوم۔ جس نے صبر کیا اور معاف کر دیا۔ بے شک یہ عظمت کے کاموں میں سے ہے۔... آپ کیا کہتے ہیں... ؟

منقول

کالا رنگ

تحریر: صائمہ زکریا

ثنا کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑی گہری سوچ میں گم تھی شام کے سائے گہرے ہوتے جارہے تھے اچانک اس کی نظر گلی میں کھیلتی ایک بچی پر پڑی جس کو دیکھتے ہی اسے اپنا بچپن یاد آنے لگا۔ اس کا بچپن عام بچوں جیسا نہیں تھا جب وہ دیکھتی کہ سب عزیز رشتہ دار اس کے بھائی بہنوں سے پیار کرتے ہیں اور اسکو نظر انداز کر دیا جاتا ہے تو وہ سمجھ نہ پاتی تھی کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کوئی اسے توجہ کیوں نہیں دیتا پڑھائی میں بھی اچھی تھی پر سکول میں کوئی اس سے دوستی ہی نہیں کرنا چاہتا تھا وقت بیت رہا تھا بہت سے سوال اس کے ذہن میں تھے کہ آخر اسکے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ جوں جوں وہ بڑی ہو رہی تھی ماں باپ کی پریشانی بھی بڑھتی جارہی تھی کہ ہماری بیٹی سے شادی کون کرے گا نہ جانے کیسے نصیب لے کر پیدا ہوئی ہے۔ اس نے ایف اے تک تعلیم حاصل کر لی تھی۔ اب اسکے رشتے آنا شروع ہو گئے تھے سبھی انکار کر کے چلے جاتے تھے۔ مجھ کوئلے جیسی رنگت والی سے شادی کون کرے گا؟ وہ اکثر آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر خود سے یہ سوال کرتی۔ خود سے باتیں کرتی کہ ایسا کالا رنگ اسے کیوں دیا لوگ اچھائی کب دیکھتے ہیں سب کو گورا رنگ چاہئیے۔ کتنا دشوار لمحہ ہوتا تھا جب لوگ اس کی رنگت کا مذاق بناتے ہر بار اس کا دل بری طرح ٹوٹ جاتا اور وہ خود کو بہت مشکل سے سنبھالتی۔ ایک دن اس کا رشتہ آیا وہ لوگ لالچی تھے زیادہ جہیز کے لالچ میں اسے بیاہ کر لے گئے اس نے سوچا تھا شادی کے بعد سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا اسکا شوہر اسکا خیال رکھے گا اسے سمجھے گا اور سب محرومیاں جو بھی اسے ملے ہیں وہ سب بھول جائے گی۔ وہ تو محض اسکی سوچ تھی اس کے سب خواب آہستہ آہستہ چکنا چور ہوتے جارہے تھے اس کے شوہر کو اس میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ خیال رکھنا تو دور کی بات اسے دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا شادی کے بعد بھی کچھ نہ بدلا وہی شوہر کی نفرت دل چیر دینے والی باتیں اسی پل پل مار رہی تھیں اور جو رہی سہی کسر ہوتی وہ ساس اسے طعنے دے کر پوری کر دیتی۔ اسے گھر میں ایک نوکرانی سمجھا گیا تھا۔ وہ دعا کرتی کہ اللہ اسے جلد اولاد کی نعمت دے تا کہ سسرال میں اسکے قدم مضبوط ہو سکیں۔ آخر اللہ نے اس کی سن لی اسکے گھر خوشخبری آئی وہ اس خوشی میں سب غم بھول گئی اور بے چینی سے اپنی آنکھوں میں خواب سجائے بے چینی سے انتظار کرنے لگی آخر وہ دن آ گیا جب نرس نے اس کی گود میں ایک ننھی سی بچی لا کر رکھ دی وہ بہت خوش تھی جب اس نے اپنی بیٹی پر نگاہ ڈالی تو وہ یک بار ساکت سی ہو گئی اسکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے... اس نے بھی ایک کوئلے کو جنم دیا تھا

❁❁❁

نظم

ندرت جہاں۔ جرمنی

کاغذ، قلم، الفاظ اور میں
قلم پڑا تھا میز پہ ساکن
کاغذ تھے چپ سادھ کے بیٹھے
دیکھ رہے تھے راہ وہ میری
کب آؤں اور انھیں اٹھاؤں
کچھ شکوے کچھ خواب لکھاؤں
دکھ اور سکھ کی ساری باتیں
اک اک کر کے انھیں بتاؤں
کاغذ کے کچھ پنوں پر جو
خواب ادھورے لکھ چھوڑے تھے
کیا میں پورے کر پائی ہوں؟
یا پھر دفن میں کر آئی ہوں
ساری بپتا انھیں سناؤں
مگر ہوا کچھ ایسے جاناں
قلم جو پکڑا لفظ ہی گم تھے
سوچوں میں بس تم ہی تم تھے

❁❁❁

لکھنؤ سے آئی نظمیں

آخری قسط

تحریر: ڈاکٹر شہناز شورو

انہی دنوں خالہ کو علم ہوا کہ لکھنؤ میں ان کے بڑے بھائی کی حالت بہت بگڑ گئی ہے۔ خط تو ڈاکیا دے گیا تھا۔ خط پہنچنے میں بھی مہینے لگ گئے تھے۔ مگر خبر گیری کا اور کوئی ذریعہ تو تھا نہیں۔ خالہ چہرے کو دوپٹے سے ڈھکے روئے چلی جاتیں۔ امی دلاسے دیتیں۔ امید اور ڈھارس بندھاتیں مگر خالہ پاکستان کی سلامتی کی دعائیں مانگتے مانگتے بھی ”ہائے ہمارا لکھنؤ“ کہہ کر جو سینے پر ہاتھ مارتیں تو زارا کا کلیجہ دہل جاتا۔ کئی بار وہ خالہ کو روتے دیکھ کر خود بھی خوب روئی تھی۔ اسے خالہ ہنستی مسکراتی۔ گاتی گنگناتی اچھی لگتی تھیں۔

خالہ کا رونا دھونا، اس دن ذرا تھما جب حسن بھائی نے مونا باؤ ٹرین سٹیشن سے لکھنؤ جانے والی ٹرین کی دو ٹکٹیں خریدیں اور اپنی اماں کو اپنے ساتھ لکھنؤ لے جانے کا قصد کیا۔ خالہ نے اپنا ٹرنک تیار کیا اور بڑی امید اور مان سے امی کے پاس آ کر بولیں۔ ”بہن۔ گزارش یہ ہے کہ اس پگلی کو ایک ڈیڑھ مہینہ اپنے پاس رکھ لیں جب تک ہم لکھنؤ سے واپس آئیں۔ بڑی والی تو سب بھائیوں کو اور ہمارے میاں اور ابا کو کھانا بنا کر دے گی۔ گھر سنبھالے گی۔ یہ پگلی کسی سے نہ سنبھلے گی۔ بلکہ مجھے تو الٹا یہ ڈر ہے سارے بھائی مل کر مار ہی نہ ڈالیں اس کو۔ کسی کے قابو میں تو آتی نہیں ہے۔ آپ ماریں، پیٹیں، گھر کا کام کروائیں مگر اس کے پاؤں میں زنجیر ڈال کر رکھیں کہ سوائے اسکول کے کہیں نہ جائے، ورنہ سب کی ناک کٹوا دے گی یہ لڑکی کسی دن۔

امی نے بغیر کسی عذر کے حامی بھر لی اور خالہ کو بے فکر ہو کر جانے کی ہدایت کی۔ ابا سے مشورہ کرنے کی کوئی ضرورت یوں نہ تھی کہ گھر میں امی کا ہی حکم چلتا تھا اور ویسے بھی تسلیم کون سی مہمان تھی۔ اگلے ہی لمحے تسلیم صاحبہ کپڑے کے بنے تھیلے میں اپنے کپڑے اور ضرورت کا سامان ڈالے، اسکول بیگ کاندھے پہ لٹکائے، دانت نکالے گھر میں آن وارد ہوئیں۔

حسن بھائی نے جاتے جاتے زارا کو گلے لگایا۔ پیار کیا۔ اس کے ہاتھ میں چھوٹی سی پیلے رنگ کی، سرخ چونچ والی پلاسٹک کی بطخ تھمائی اور ساتھ ایک چھوٹی سی پاکٹ سائز کی ڈائری دے کر بولے۔ ”زارا اس ڈائری میں اس پگلی کی ساری باتیں لکھ کر رکھنا اور جب میں واپس آؤں تو مجھے بتانا۔ اور اگر اس نے تمہیں تنگ کیا تو واپس آ کر اس کی وہ خبر لوں گا کہ اس کے فرشتے بھی توبہ کریں گے۔“

خالہ اور حسن بھائی تو چلے گئے۔ مگر اب تسلیم گھر میں خوب کھل کھیلی۔ وہ تو بھول ہی گئی کہ اس کا اپنا گھر اگلی گلی میں ہے۔ اپنے مضبوط تن و توش اور لانبے قد کا بھرپور فائدہ اٹھایا اس نے۔ گھر کے کونوں کھدروں اور کمروں کی چھتوں پر سے لٹکتے جالے اتارنے سے لے کر، باورچی خانے میں امی کی مدد اور چرب زبانی نے اسے جلد ہی امی کی ضرورت بنا دیا۔ نالائق، چڑیل، اونٹنی، گدھی اور پگلی کہلانے والی تسلیم زارا کی امی کی دلاری ہوگئی۔

ابا بچارے زمینوں کے کام سے تھکے تھکے سے آتے اور اپنے بچوں کو فرفر اردو بولتے دیکھتے تو روزمرہ بول چال کے سندھی جملوں کی پریکٹس کروانے لگ جاتے۔ مگر اللہ جانے کیا بات تھی کہ زارا کی زبان پر سندھی زبان کا تلفظ ہی نہ چڑھتا تھا جبکہ تسلیم کی سندھی میں روز افزوں ترقی سے ابا عش عش کر اٹھتے۔ تسلیم نے یہ میدان بھی مار لیا تھا سو اب زارا اس سے حسد کیا کرتی کہ زارا سی کم سخن کو گھر میں بھلا کون پوچھتا تھا۔ کم گو، خاموش طبع، نہ کسی کے لینے نہ کسی کے دینے میں۔ گھر کے کاموں میں کوری، کتابوں کی رسیا۔

”خالہ بھئی اب میں اس گھر میں واپس نہیں جاؤں گی، جب میری اماں آئیں گی تو“۔ تسلیم نے ایک دن امی کی سلائی مشین کے پاس بیٹھے ہوئے، اپنی قمیض کی ترپائی کرتے ہوئے فیصلہ سنا دیا۔

”چلو ٹھیک ہے۔ مگر جانا تو پڑے گا۔ گھر تو تمہارا وہی ہے نہ۔ جب تمہاری امی واپس آئیں گی تو تمہیں لے جائیں گی۔“

”تو آپ روک لینا؟ اور وہ سب کون سا مجھے چاہتے ہیں؟ مار پیٹ کے لیے رکھا ہوا ہے مجھے۔ بتاؤ خالہ بری ہوں میں؟ پھوہڑ ہوں؟ فالتو باہر جاتی ہوں؟ گھر کا کام نہیں سیکھ گئی سارا؟ وہاں تو سب میری جان کے دشمن ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک۔ اور وہ حسن بھائی چار پیسے کیا کماتے ہیں۔ خدا بن بیٹھے ہیں گھر بھر کے۔ کب سے پیٹ رہے ہیں مجھے زارا کی وجہ سے۔ اب میں زارا کی طرح خوبصورت نہیں ہوں، گوری نہیں ہوں تو کیا اس میں میرا قصور ہے؟ خالہ یقین مانو۔ جب بھی زارا کو اسکول سے گھر لے کر آتے تھے نہ حسن بھائی تو میرا تو پیشاب خطا ہو جاتا تھا کہ اب تو مجھے مار پڑی ہی پڑی۔“

”ہائے ہائے۔ یہ کیسی بات کی؟“ امی جو ابھی تک ہاں ہوں میں جواب دے رہی تھیں ایک دم چونک کر بولیں۔

”قسم لے لیں خالہ جو جھوٹ بولوں۔ بس زارا کو چاہتے تھے اور مجھے گالیاں، کوسنے اور چانٹے۔“

”ارے بھائی ہے تمہارا بڑا۔ کیا مارتا ہو گا بھلا اور زارا سے بڑھ کے تم کو پسند کرتا ہے۔ سگی بہن تو تم ہی ہو نہ اس کی۔“ امی نے تسلی دی۔

”کوئی نہیں“۔ پکا سا منہ بنا کر تسلیم بولی۔ ”مجھے تو گوبر کے ڈھیر سے اٹھایا تھا انہوں نے جب پاکستان آ رہے تھے اماں ابا والے۔“

”چپ کر۔ بند کر اپنی زبان۔“ امی کو ہنسی آ گئی۔ ”بیٹا بچوں کو ایسی باتیں کہی جاتی ہیں مذاق میں۔ انہیں سچ نہیں سمجھ لینا چاہیے۔“

”اچھا مذاق ہے؟ کوئی نہیں خالہ۔ دیکھنا آپ بھی مان لوگی ایک دن۔ پر دیکھ لینا میں جاؤں گی نہیں یہاں سے۔ خالو کو آپ منالینا۔ میں اب یہیں رہوں گی آپ کے ساتھ ساری عمر۔“ تسلیم نے کھونٹا مضبوط کرنے کی کوشش کی۔

ادھر دو مہینے گزرے۔ پھر تین۔ پھر چار۔ اب تک تو کسی کو فکر نہ تھی مگر جب چار مہینے گزر گئے تو امی کو تشویش لاحق ہونا شروع ہوئی، نہ کوئی خیر نہ خبر۔ نہ کوئی خط نہ ہی تار۔ نہ یہ پتہ کہ کس سے پوچھیں اور کیا پوچھیں۔ تسلیم کو ذرہ برابر فکر نہ تھی۔ مگر اب امی بار بار زارا کے بھائیوں سے کہتیں کہ اس کے گھر جا کر پتہ کرو کہ کوئی خط یا پیغام آیا؟

تسلیم کے گھر سے بھی کوئی خاص پتہ نہ چلتا کہ چٹھی وغیرہ تو کوئی آئی نہیں تھی۔ نہ ہی فون وغیرہ کا کوئی کنکشن تھا ان دنوں۔ زارا اور تسلیم دونوں ساتویں جماعت میں آ گئیں۔ گھر میں تو تسلیم بہت ہوشیاری اور طریقے سے رہتی تھی مگر اسکول میں اس کی حرکتیں وہی تھیں۔ ایک نمبر کی بلیک میلر۔ زارا اسکول میں کسی کے ساتھ بات کرتی۔ اسکول کے گراؤنڈ میں کھیلتی یا کچھ کھاتی پیتی۔ تسلیم کسی خدائی فوجدار کی طرح حاضر ہوتی۔

”میرے ساتھ کھیلو ورنہ گھر جا کر بولوں گی کہ غلط قسم کی لڑکیوں کے ساتھ کھیلتی ہے۔“

”مرچوں والے دہی بھلے مت کھایا کرو ورنہ خالہ سے شکایت کروں گی۔“

زارا بیچاری کس سے تسلیم کی شکایت کرتی۔ گھر میں تو شکایت کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ امی کو تو تسلیم نے خوب شیشہ میں اتار لیا تھا۔ ان چند مہینوں میں یوں فر فر سندھی سیکھ گئی تھی کہ ابا سے سارا کلام سندھی میں ہی کرتی جب کہ دوسری جانب ابا کی سگی اولاد سندھی میں کیے گئے سوالوں کے جواب پٹ پٹ اردو میں جواب دیتی۔ زارا کے ماں باپ کو تو تسلیم سے کوئی شکایت نہ تھی الٹا ایک بار سب کو سخت قسم کی ڈانٹ پڑ گئی تسلیم کی وجہ سے۔ رمضان کے پہلے روزے کی سحری پر سب نے روزہ کھول لیا۔ مگر تسلیم کے سامنے فروٹ کی پلیٹ اور شربت کا گلاس ویسے کا ویسا رکھا رہا۔ کیونکہ اثنا عشری کے مطابق روزہ افطار کرنے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی۔ کھجور ہاتھ میں پکڑے روزہ کھلنے کی منتظر تسلیم سے زارا اور اس کے بھائیوں کی نظریں ملیں جو کہ روزہ افطار کر چکے تھے اور اب مزے سے شربت پی رہے تھے۔ اگلے ہی لمحے تینوں بہن بھائیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا ہی تھا کہ زارا کی ہنسی چھوٹ گئی۔ امی نے گھور کر زارا کو دیکھا۔ تسلیم سمجھ گئی اور اپنی موٹی موٹی آنکھوں سے تینوں کو تیکھے تیوروں سے دیکھا۔ زارا کو فوراً اپنی غلطی کا احساس تو ہو گیا مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ سب نماز پڑھنے اٹھ کھڑے ہوئے۔

نماز ختم کرتے ہی امی نے اشارے سے زارا اور اس کے دونوں بھائیوں کو کمرے میں بلایا اور سختی سے بولیں ”آج جو ہوا سو ہوا۔ دوبارہ کچھ ایسا ہوا تو تسلیم کے سامنے وہ بے عزتی کروں گی کہ یاد رکھو گے۔ ایک دوسرے کے مسلک کا احترام سمجھ نہیں آیا ابھی تک۔ شرم نہیں آئی مذاق اڑاتے ہوئے؟

کہاں خالہ کے گھر میں زارا کے لئے لاڈ اور تسلیم کے لیے فضیحتیں اور کہاں امی کے گھر میں تسلیم کا خیال رکھنے کی ہدایتیں۔

”دیکھو اگر میں نے دیکھا کہ تم میں سے کسی نے تسلیم سے بدسلوکی کی، تو مجھ سے برا کوئی دوسرا نہ ہو گا۔“

یہ امی کی آخری وارننگ تھی۔ چھوٹا سا گھر تھا۔ امی کی آواز ویسے بھی بڑی کراری تھی۔ گمان غالب تھا کہ پیغام گھر بھر کو پہنچ چکا۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی تسلیم نے فاتحانہ انداز سے زارا کو دیکھا، جس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آ رہے تھے۔

آ لینے دو حسن بھائی کو۔ ایک ایک بات نہ بتائی تو! آنکھوں سے رواں آنسو پونچھتے ہوئے زارا نے دل ہی دل میں تسلیم کو برا بھلا کہا۔ حسن بھائی کی ہدایت کے مطابق روز کے حساب سے ڈائری میں تسلیم کی شکایتیں لکھنا شروع کر رکھیں تھیں اس نے۔

پورے دس ماہ گزر چکے تھے تسلیم کی والدہ اور حسن بھائی کو گئے۔ زارا کی امی وسوسوں میں گھر گئی تھیں۔ رمضان گزرا، پھر عید آئی۔ امی نے تسلیم کو بھی زارا کی طرح کا جوڑا سی کر دیا۔ وہ بہت خوش تھی۔ ابا نے سب کو ایک جتنا جیب خرچ دیا۔ امی نے تسلیم سے کہا بھی کہ وہ جا کر اپنے نانا، ابا، بہن اور بھائیوں سے مل کر آ جائے مگر صاف جواب دے دیا اس نے۔

”خالہ تکا بوٹی کر دیں گے میری سب مل کر۔ دشمن ہیں میرے ایک نمبر کے۔ اسی لیے تو اماں نے آپ کے ہاں چھوڑا ہے مجھے۔ اور مجھے کیا ضرورت ہے ان کی۔ کون سا وہ مجھے یاد آتے ہیں۔ میں تو کہتی ہوں اماں اور حسن بھائی بھی لکھنو میں ہی رہیں تو اچھا ہے۔ مجھے تو اپنے پاس ہی رکھ لیں آپ۔ اب تو میں پوری سندھن بن گئی ہوں۔ سب سندھی سمجھتے ہیں مجھے۔ زارا سے بھی اچھی سندھی بولنا آ گئی ہے مجھے۔ کیوں چچا جان؟ اس نے زارا کے ابا کو مخاطب کیا۔ جو مسکرا کر گردن ہلا کر رہ گئے۔

مگر تسلیم کی دعا رنگ نہ لائی۔

اگلے ہی روز صبح سویرے دروازے پہ دستک ہوئی۔ ابا گھر میں ہی تھے۔ دروازہ کھولا تو باہر سے سیاہ رنگ کے کھلے سے برقعہ میں خالہ اپنا غرارہ دونوں ہاتھوں سے سنبھالتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہوئیں۔ زارا انہیں سلام کر کے باہر کو لپکی۔ ”حسن بھائی“ کہتے ہوئے وہ دوڑ کر حسن بھائی سے لپٹ گئی۔

”ارے۔ گڑیا۔“ حسن بھائی ٹھٹھک سے گئے۔ آہستگی سے اسے خود سے دور کیا اور بولے ”میں بہت اچھی اچھی نظموں کی کتاب لایا ہوں تمہارے لیے لکھنؤ سے اور تسلیم نے تمہیں تنگ تو نہیں کیا زیادہ؟“

کتنا اجنبی تھا حسن بھائی کا لہجہ۔ پرایا پرایا سا۔ جیسے کوئی انجانا شخص بول رہا ہو۔

زارا کے اندر چھناکے سے کچھ ٹوٹ سا گیا۔ کہاں تو ایسی لگاوٹ سے اس کی ایک ایک بات پر ہنسنے مسکرانے۔ اور اسے اٹھا کر۔ سینے سے لگانے والے حسن بھائی اور کہاں یہ اجنبی رویہ؟ کتنا انتظار تھا اسے حسن بھائی کے آنے کا۔ کیا دس مہینے کسی دوسرے ملک چلے

جانے سے آدمی اتنا بدل جاتا ہے۔ زارا روہانسی سی ہوگئی۔ حسن بھائی ابا سے باتوں میں یوں مشغول تھے گویا زارا وہاں موجود ہی نہ ہو۔ ناقابل یقین انداز میں زارا نے حسن بھائی کو دیکھا اور آنکھوں میں لرزتے آنسوؤں اور دکھی دل کے ساتھ بھاری قدموں سے چلتی ہوئی گھر کے دروازے پر جا کھڑی ہوئی۔ حسن بھائی اس کی موجودگی سے بے نیاز ابا سے باتیں کرتے رہے۔

خالہ امی سے مل کر جلد ہی باہر نکلیں اور حسن بھائی ابا سے اجازت لے کر خاموشی سے ان کے ساتھ اپنے گھر کو چل دیے۔ نہ زارا سے گھر چلنے کے لیے کہا۔ نہ ہی زارا کے ابا سے اسے اپنے گھر لے جانے کی اجازت طلب کی۔ یہ کیا ہوا؟ اس کے گھر میں تو سب ہی اپنے اپنے کاموں میں مگن ہوتے تھے۔ بھائی پڑھائی اور اپنے اپنے قصے کہانیوں میں مگن۔ ابا زمینداری میں مگن۔ امی کھانا پکانے، سلائی کڑھائی، گھر گرہستی میں مگن۔ مگر توجہ سے اس کی باتیں اور نظمیں سننے اور اس کو تسلیم کی بدمعاشی سے بچانے والے حسن بھائی بھی ایسے بدلے کہ وہ حیران رہ گئی۔

بار بار آنکھ میں آنے والے آنسو چوری چوری صاف کرتے شام گزری۔ رات میں جب بھی اس کی آنکھ کھلی وہ رودی۔ دوسری صبح بھی ایسی ہی اداس۔ دل چاہا وہ بھی ایسی ہی کٹھور ہو جائے۔ پھاڑ ڈالے وہ ڈائری جس میں اس نے تسلیم کے ایک ایک جملے اور زیادتیوں کا حساب لکھا تھا کہ ہر بات حسن بھائی کو بتائے گی۔ کون سنے گا اب اسے؟ اب وہ کس طرح سب باتیں بیان کر سکے گی جب حسن بھائی کچھ پوچھیں گے ہی نہیں۔ حسن بھائی کا ایسا تکلیف دہ رویہ اسے بے تحاشا دکھی کر گیا۔ تسلیم اپنے گھر جا چکی تھی اپنے کپڑے اور دیگر سامان لے کر۔

اس واقعے کے تیسرے یا چوتھے دن۔ شام کو وہ کمرے میں بیٹھی اسکول کا ہوم ورک کر رہی تھی کہ خالہ آ گئیں۔ امی برآمدے میں بیٹھی سویٹر بن رہی تھیں۔ سلام دعا کے بعد۔ خالہ نے امی کو اپنے سفر کی روداد بتانا شروع کی جسے وہ کمرے کی ادھ کھلی کھڑکی سے سنتی رہی۔ اپنے بھائی کی طویل علالت کا قصہ۔ ٹرین میں پیش آنے والے واقعات۔ لکھنؤ کی گلیوں، کوچوں اور گھروں کے اداس احوال۔ جدا ہونے والوں کے دکھ۔ اچانک خالہ کو کچھ خیال آیا، بولیں۔ ”زارا گھر پہ نہیں ہے کیا؟“

”گھر پر ہی ہے۔ پڑھ رہی ہے کمرے میں۔“ امی نے جواب دیا۔

”ارے وہ حسن آئے تھے نہ اس دن ہمارے ساتھ تو حیران رہ گئے زارا کو دیکھ کر۔ بولے اماں۔ وہ تو ایک دم سے اتنی بڑی ہوگئی ہے، بالکل لڑکی جیسی۔ میں تو ڈر کے مارے اس کو ہاتھ بھی نہ لگا سکا۔ کیسے ملوں گا میں اب اس سے؟ میں نے سمجھایا کہ بچیاں یونہی ایک دم سے بڑی ہو جایا کرتی ہیں۔ تو بولے یہ کتاب لے جاؤ اماں۔ اب تمہی دے دینا یہ کتاب اس کو۔“

”لکھنؤ سے خریدی تھی مولوی صاحب کی نظموں کی کتاب حسن نے زارا کے لئے۔“

زارا کی سسکیاں چھوٹ گئیں۔ اس نے دونوں ہاتھوں کی بھنچی مٹھیاں اپنی آنکھوں پہ رکھ لیں اور پھوٹ پھوٹ کر بے آواز رودی۔

❁❁❁

سرزمین فلسطین

آصفہ بلال

اے سرزمین فلسطین
میری پیاری
میری ہم دین
تیری مٹی کو شہیدوں کے لہو سے رنگ کر
ظلم ڈھاتے رہے
فرعون کی صورت بن کر
کبھی آباد تھیں گلیاں
کبھی خوشحال نگر
تیری خوشیوں کو نہ جانے
لگی ہے کس کی نظر
کہیں جاں سوز مناظر
کہیں غمگین بشر
خاک اور خون ہے ہر سو
جہاں جاتی ہے نظر
ننھی کلیوں کی سسکتی ہوئی آہوں کی قسم
تیری ہر آہ و فغاں مجھ کو رلا دیتی ہے
سونی گلیوں سے گزرتے ہوئے
قدموں کی دھمک
وحشت زیست کو کچھ اور بڑھا دیتی ہے
بے گناہوں کا لہو
پوچھ رہا ہے ہم سے
کب تلک اور یہاں ظلم کی بارش ہوگی
کب تلک جبر کی چکی میں پسیں گے مسلم
کب تلک اور یہاں جرم کی سازش ہوگی
ساری دنیا تو ہے
خاموش تماشائی مگر
تم تو مسلم ہو
تو کیا تم نہ دہائی دو گے
کب تلک ظلمت شب میں
یوں بسر ہوگی حیات
کب تلک ساتھ نہ دو گے
نہ سنائی دو گے
جبر کی قید سے کب ہم کو
رہائی دو گے

اردو زبان

جو ملک میں اجنبی ہوتی جا رہی ہے

میں کبھی کبھی یہ سوچ کر سہم جاتا ہوں کہ ہمارے افراد اب بہت سے ایسے اردو الفاظ سے ناواقف ہوتے چلے جا رہے ہیں جو آج سے تیس سال پہلے تک ہماری زبانوں پر چڑھے رہتے تھے۔مثلا کنارے کے بدلے سائیڈ۔۔بتی یا بجلی کی جگہ لائٹ۔۔سڑک کی جگہ روڈ۔۔صفر کی جگہ زیرو۔۔گیند کی جگہ بال۔۔میدان کی جگہ گراؤنڈ۔۔رکابی کی جگہ پلیٹ۔۔باورچی خانے کی جگہ کچن۔۔سلاد کی جگہ سیلیڈ۔۔گاڑی کی جگہ ٹرین۔۔مسہری کی جگہ بیڈ۔۔بوسے کی جگہ کس۔۔کاغذ کی جگہ پیپر۔۔قلم کی جگہ پین۔۔چچا خالہ کی جگہ انکل آنٹی۔۔دھونے کے بدلے واش۔۔کتے کی جگہ ڈوگی۔۔پھل کی جگہ فروٹ۔۔تتلی کی جگہ بٹرفلائی۔۔حادثے کی جگہ ایکسیڈنٹ۔۔دوائی کی جگہ میڈیسین۔۔درخواست کی جگہ اپلیکیشن۔ وقت کے بدلے ٹائم، دروازے کے بدلے گیٹ، پنکھے کے بدلے فین، غسل خانے کے بدلے واش روم، چمچے کے بدلے اسپون، میز کے بدلے ٹیبل، زیور کے بدلے جیولری، پاجامے کے بدلے ٹراؤزر، قمیص کے بدلے شرٹ، کپڑے والی الماری کے بدلے وارڈ روب، تالے کے بدلے لاک، کاغذ کے بدلے پیپر، کڑاہی کے بدلے پین، تیل کے بدلے آئل، بدعنوانی کے بدلے کرپشن۔ وغیرہ۔اور یہ فہرست یہیں آ کے ختم نہیں ہو جاتی۔

میں کہتا ہوں کہ ابھی تو اردو کے الفاظ سمجھنے والی پھر بھی ایک بڑی نسل باقی ہے۔لیکن تب کیا ہوگا جب آج کی یہ بچہ نسل جوان ہو کر ان کی جگہ لے گی؟ تب تک تو بہت زیادہ دیر ہو چکی ہوگی اور ان کے لیئے بے شمار الفاظ اجنبی بھی بن چکے ہوں گے۔

پھر ایک تسلی دل کو یہ سوچ کر بہر حال ہوتی ہے کہ زبان تو ادیبوں، شاعروں، اور استادوں کے ہاتھوں پروان چڑھتی اور مضبوط ہوتی ہے۔ جب بھی کسی لفظ کے درست یا نادرست ہونے کا سوال پیدا ہوتا ہے تو اصولی طور پر اسے ادیبوں اور شاعروں کی تصنیفات میں تلاش کیا جاتا ہے۔اور یوں غلط الفاظ کے داخل ہونے سے زبان محفوظ رہ جاتی ہے۔

مگر ساتھ ہی یہ خیال بھی آتا ہے کہ آنے والے دور کے شاعر بھی تو انہی تعلیمی اداروں سے نکلے ہوئے ہوں گے جہاں سے اردو زبان کے بہت سے الفاظ سے وہ آج ناآشنا ہیں۔ان کے اشعار میں بھی لہذا تب انگریزی ہی کے متبادل الفاظ پائے جائیں گے۔

ادھر مشاعرے، جو اردو کی ترویج و صورت گری میں ناگزیر کردار ادا کرتے ہیں، وہ بھی اب عنقا ہو چکے ہیں۔ کبھی کبھی تو یہ جان کر دکھ اور بھی سوا ہو جاتا ہے کہ شعرا جو زبان کو پکڑ کے بیٹھے ہوتے ہیں، خود ان کی اردو بھی تو اب شرم ناک ہونے لگی ہے۔

دوسری طرف مستقبل کے اساتذہ کی صورت حال بھی اس سے کچھ الگ نہیں ہوگی۔اردو کے ذخیرے سے بہت زیادہ ناواقف!

تب یہ سوچ سوچ کر دل بجھ جاتا ہے کہ پھر کیا ہوگا؟ دوسو سال کی ابھرتی چمکتی اور آگے بڑھتی ہوئی گزرے ہوئے کل کی گنگا جمنی اردو، آنے والے کل کی کیا ایک ملغوبہ اور بدصورت زبان بن جائے گی؟

لیکن کبھی کبھی دل اس حقیقت سے مسرور ہوتا ہے کہ اردو ماشا اللہ تمام دنیا کی جامعات میں پڑھائی جا رہی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ زندہ ہی رہے گی۔مگر ادھر انگریزی الفاظ کی بھرمار ہے اور ادھر پڑوسی دشمن ملک کی بگڑی ہوئی زبان ہندی بھی یلغار کیئیے ہوئے ہے؛

بلکہ بولنا تو درکنار، ہمارے شعرا کو تو اردو کی املا بھی درست طور پر نہیں اتی۔ذرا کوئی نیا لفظ کہیئے، اور سمجھنے و لکھنے میں موجودہ نسل کی بے بسی دیکھئے؛ ترس آنے لگتا ہے۔

ہم بے شک اپنی زبان پر ناز کرتے رہیں اور اس کے مستقبل سے مطمئن بھی رہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اردو آہستہ آہستہ اپنا مقام چھوڑتی چلی جا رہی ہے۔ کسی حد تک تو بلکہ وہ آج بھی اجنبی سی ہے۔ چنانچہ اور آگے جا کر شاید وہ مزید اجنبی شکل اختیار کر لے گی۔

اگر ایسا ہوا تو ملک و ملت کا یہ بہت بڑا نقصان ہوگا۔کیونکہ ہمارا بے شمار ادبی و علمی خزانہ اسی زبان میں ہے۔اور دینی خزانے کے لامحدود ہونے کی تو بات ہی نہ کی جائے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ قومیں، زبانوں سے بھی تشکیل پاتی ہیں اور زبانوں سے بھی قوت حاصل کرتی ہیں۔زبان ہمارا ماضی ہے، زبان ہمارا مستقبل ہے، اور زبان ہمارا دین ہے

(منقول)

❁❁❁

تقسیم کی تربیت

تحریر: فائزہ حبیب کراچی پاکستان

کچھ عرصہ قبل ایک مختصر چند سطروں کا اقتباس میری نظر سے گزرا۔اس اقتباس نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا۔ کچھ کہنے سے قبل وہ اقتباس پیش کروں گی۔

”ایک ماں اپنے دو بچوں کے ساتھ بیٹھی تھی ان کے پاس دو سیب تھے ماں نے کہا مجھے توسیب پسند ہی نہیں تو بچوں نے ایک ایک سیب کھالیا“

اس اقتباس میں ماں کی ممتاد کھائی گئی ہے کہ ماں چاہتی ہے کہ وہ بیشک بھوکی رہ لے لیکن اس کے بچے پیٹ بھر کر کھالیں۔اور لازم بات ہے جب بچے سیب کھا رہے ہوں گے تو ماں کی آنکھوں اور دل کو سکون مل رہا ہو گا۔

لیکن اگر اس واقعے کو الگ نظر سے دیکھا جائے تو اس کے بہت سے پہلو اجاگر کیے جاسکتے ہیں۔

1۔اگر وہ ماں اس سیب کو کاٹ کر 3 حصّوں میں تقسیم کرتی اور بچوں کے ساتھ مل کر کھاتی تو اس کے بچے اپنی چیز کو صبر کے ساتھ تقسیم کرنے اور مل بانٹ کر کھانا سیکھتے۔

2۔وہ ماں اس وقت بچوں کو یہ سکھا سکتی تھی کہ گھر اور رزق میں برکت کے لئے ضروری ہے کہ پہلا نوالہ ماں باپ کے منہ میں ڈالا جائے تا بڑھاپے میں اس کے بچے ان عظیم برکتوں سے مستفیض ہوتے۔

3۔ممکن ہے اس تقسیم سے اس کے بچوں کے دل سے ساری چیز اپنے پاس رکھنے کا لالچ ختم ہوتا اور ان میں فراخ دلی پیدا ہوتی۔

4۔مستقبل میں جب حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرنے کا وقت آتا تو بچوں کے دلوں میں مال کی محبت کے بجائے اعلی ظرفی کے ساتھ اسکو تقسیم کرنے کا ہنر ہوتا۔

5۔آج اس ماں نے کہا مجھے سیب پسند نہیں ہے اور کچھ دن بعد وہ انجانے میں کہتی کہ مجھے تو سیب بہت پسند ہیں تو کہیں نہ کہیں بچوں کے ننھے ذہن میں جھوٹ جگہ بناتا اور سچ کی عزت میں لازمی کمی آتی۔

ماں باپ کی محبت انمول ہوتی ہے لیکن انکی عطاء کی ہوئی اعلی تربیت جنّتوں کا وارث بنا دیتی ہے۔

” کچھ عرصہ ہوا میں اپنی ایک عزیز کے گھر رسمی ملاقات کی غرض سے گئی۔دوران گفتگو ان صاحبہ کی بیٹی ان کے پیروں کے قریب آکر بیٹھی اور پاؤں دبانے لگی۔ماں نے پاؤں کھینچ لئے اور کہا مجھے اچھا نہیں لگتا بچوں سے پاؤں دبوانا۔اس پر بیٹی نے افسردگی سے کہا”اپ چاہتی ہی نہیں ہیں کہ میں جنّت میں جاؤں“

بچی کا یہ جواب ماں نے سنا اور ہنس کر ٹال دیا لیکن میں کئی دن تک اس کی بات کو سوچتی رہی۔

جس طرح ماں باپ بچپن میں بچوں کو کھانا پینا بولنا چلنا غرض ہر چیز انگلی پکڑ کر سکھاتے ہیں اسی طرح ماں باپ کی عزت اور خدمات کرنا اور انکا خیال رکھنا سکھانا بھی ماں باپ کی ہی ذمہ داری ہے۔تاکہ بڑھاپے میں انھیں خدمت گزار اولاد نصیب ہو۔

ایک شخص بہت بڑی کمپنی کا مالک تھا رات کو اپنے والد کے پاؤں دبا کر سوتا تھا کسی نے کہا اتنے امیر آدمی ہو کوئی خادم رکھ لو والد کے لئے تو اس شخص نے انمول جواب دیا اس نے کہا”بچپن میں اماں نے عادت ڈالی تھی کہ میں ابا کے پاؤں دبا کر سوؤں۔ وہ کہتی تھیں جو باپ کے پاؤں دبا کر سوتا ہے ساری رات جنّت کی ہوائیں اسے اپنے حصار میں لئے رکھتی ہیں۔اب خادم تو ابا کے پاؤں دبا کر سلا دے گا لیکن مجھے جنت کی ہواؤں کے بنا نیند کیسے آئے گی“

کتنی عظیم ماں تھی وہ جس نے اپنے بیٹے کو دنیا میں ہی جنّت کا راستہ دکھا دیا تھا۔

یہاں میں ایسی ماؤں کا بھی ذکر کروں گی جو گھروں میں بچوں کی خوراک کا بہت خیال رکھتی ہیں حتی کہ اپنے حصّے کا کھانا بھی بچوں کو کھلا دیتی ہیں پھر لگ بھگ 40 کی عمر میں 70 کی لگتی ہیں اور قوت مدافعت کمزور ہونے کی وجہ سے درجنوں بیماریاں انھیں گھیر لیتی ہیں۔

یہاں ایک دلچسپ سوال جو میں لگ بھگ ہر اس خاتون سے پوچھتی ہوں جن کا مجھے اندازہ ہو کہ یہ زندگی کی 40 کے قریب بہاریں دیکھ چکی ہیں وہ سوال یہ ہے کہ آپ نے آخری بار دودھ کا گلاس کب پیا تھا۔اس کے جواب میں 80 فیصد خواتین کا ایک ہی جواب تھا”یاد نہیں“

پھر تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ سب انہوں نے اپنی والدہ کو کرتے دیکھا تھا کہ جتنا دودھ گھر میں موجود ہے وہ ماں سمیت سب میں تقسیم ہونے کے بجائے صرف بچوں میں تقسیم ہوا اور بات وہیں آکر ختم ہوئی جہاں سے شروع ہوئی تھی۔

❁❁❁

تاریخ کے آئینے میں

حضرت مصلح موعودؓ کا پرنس آف ویلز کو ایک خوبصورت تحفہ

تحریر: نبیلہ رفیق نارووے

حضرت ظفراللہ خان صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دین اور دُنیا دونوں طرف کی نعمتوں سے نوازا ہوا تھا۔ ان کا جماعت سے اخلاص، خلافت سے حد درجہ عقیدت، اپنے پیشے سے والہانہ اور بااصول لگاؤ، اور وطن سے ماں کے جیسی محبت نے ان کے ہر کام میں برکت عطا کی ہوئی تھی۔ یہ سعادتیں بہت جوانی کی عمر سے ہی آپ کے حصے میں آنا شروع ہو چکی تھیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو آپ کی صلاحیتوں پر مکمل بھروسہ تھا حضور کی دور اندیشی حضرت ظفراللہ صاحب کی اندر کی صلاحیتوں کو بھانپ چکی تھی اور جوں جوں ان کی صلاحیتیوں میں خلیفہ وقت کی ہدایات کی روشنی گھلتی گئی ذہن وجسم میں مختلف کام کرنے کی استعداد میں بتدریج ترقی ہوتی رہی۔ خلافت کے ساتھ گہرے تعلق اور خلیفہ وقت کے اعتماد نے آپ کی شخصیت میں مزید نکھار پیدا کر دیا ہوا تھا کہ آپ نے جماعت اور ملک کے لئے بڑے بڑے کام کئے۔۔ تقسیم سے قبل ۱۹۲۲ میں جب کہ آپ کی عمر ابھی محض ۲۹ برس کی تھی، حضورؓ نے آپ پر اعتماد کرتے ہوئے ایک انتہائی اہم کام آپ کے سپرد کیا۔ جسے آپ نے حضرت مصلح موعودؓ کی امامت میں بہت احسن طریق سے پورا کر کے آئندہ نسلوں کے لئے ایک اہم چھوڑا۔

۱۹۲۲ پرنس آف ویلز ہندوستان کی سیر وسیاحت کو تشریف لائے، ان کا لاہور آنے کا بھی پروگرام تھا۔ حضرت مصلح موعودؓ نے پرنس آف ویلز کو پیش کرنے کے لئے ایک انتہائی نادر تحفہ تیار کیا، یہ تحفہ ایک کتاب تھی، جس میں اسلام کی حقانیت کے دلائیل، اور عیاسئیت کی موجودہ تعلیم اور اسلام کی تعلیم کا موازنہ کر کے پرنس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ چونکہ یہ کتاب اردو میں لکھی گئی تھی اور اسکا انگلش ترجمہ کرنے کے لئے حضور نے سر ظفراللہ صاحب کو چناتھا، وقت بھی بہت محدود تھا کام زیادہ تھا مگر حضرت چوہدری صاحب نے یہ کام کیسے سرانجام دیا، یہ ان کی اپنی تحریر میں پڑھئے... آپ اپنی تصنیف میں فرمانے ہیں۔

(تحدیثِ نعمت ص ۲۱۰)

''یہ کتاب حضورؓ نے اردو میں تحریر کی اور اسے انگلش میں ترجمہ کے لئے مجھے بھیجا! ارشاد تھا کہ پانچ دنوں کے اندر ترجمہ کر کے قادیان لے آؤ یہاں نظر ثانی کی جائے گی۔ مجھے ان دنوں دن بھر مصروفیت رہتی تھی، ترجمہ کا کام شام کو کیا جاتا تھا۔۔۔ محض اللہ کے فضل سے یہ اہم ذمّہ داری حضور کی مقررہ معیاد کے اندر پوری ہوگئی۔ دو دن میں نظر ثانی بھی ہوگئی یوں مسودہ طباعت کے لئے تیار ہو گیا۔

خاکسار جب حضورؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضورؓ نے فرمایا ایک اور بات تمہیں کہنا یاد نہ رہا کہ انگریزی عبارت کا انداز انجیل کے انداز پر ہونا چاہئے۔ خاکسار نے گذارش کی کہ اصل تحریر کے انداز سے ہی خاکسار نے یہ قیاس کر لیا تھا اور خاکسار نے حضورؓ کے منشاء کے مطابق اس کو ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ ترجمہ کی نظر ثانی میں حضورؓ خود شامل تھے... وہ دونوں دن حد درجہ کی مصروفیت رہی اور کام بھی پوری توجہ اور احتیاط کا طالب تھا۔ لیکن اس پاکیزہ صحبت اور صالح مصروفیت کے دوران میری طبیعت ایک لمحہ کے لئے بھی اکتائی نہیں... حضرت صاحب کی بشاش طبیعت نے سب رفقاء کو بشّاش اور خرّم رکھا کتاب وقت پر تیار ہو گئی۔ اور اسے ایک خاص طرز کے چاندی کے بکس میں شہزادہ ویلز کو پیش کر دی گئی''.. الحمد اللہ..

گویا! خلافت کی برکت نے سر ظفراللہ خاں صاحب کو چھوٹی عمر میں یہ مقام عطا کیا کہ ایک خاص کتاب کا فوری ترجمہ کرنے اور کتاب مکمل کرنے کی توفیق پائی۔

قارئین یہ بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ اسکے چالیس سال بعد اقوام متحدہ کے سترھویں اجلاس کے موقعہ پر جس کے صدر موصوف سر ظفراللہ خاں صاحب تھے ایک دعوت کے موقعہ پر ایک کمرے سے دوسرے کمرہ میں جاتے ہوئے اقوام متحدہ کے قانونی محکمہ کے ڈائریکٹر نے انہیں روک کر ایک شخصیت سے یہ کہ کر متعارف کروایا کہ یہ his royal highness ''ڈیوک آف ونسر'' ہیں۔ یعنی وہ وہی شہزادہ ویلز تھے جن کے لئے لاہور میں کتاب تیار کر کے تحفہ دی گئی تھی... ر ظفراللہ خاں صاحب نے ان سے چالیس سال پرانے لاہور کے دورے کا اور کتاب کا ذکر کیا، اور یہ بھی بتایا کہ یہ کتاب انہوں نے ترجمہ کی تھی، اسپر شہزادہ ویلز جو اسوقت ''ڈیوک آف ویلز'' کے عہدے پر قائم تھے نے بے ساختہ کہا کہ ''وہ کتاب ابھی بھی میرے پاس موجود ہے''

یوں موصوف سر ظفراللہ خاں صاحب کو چالیس سال بعد معلوم ہوا کہ حضرت مصلح موعودؓ کی تحریر کردہ وہ کتاب جس میں اسلام اور عیسائیت کی تعلیم کا موازنہ کیا گیا تھا ابھی بھی برطانیہ کے شاہی خاندان کے شہزادے کے پاس ہے۔

❁❁❁

ہماری حیات
ابو کی یادیں

تحریر: عطیۃ القدیر لندن یو کے

اللہ تعالیٰ نے میرے والد صوبیدار میجر ریٹائرڈ فاروق احمد صاحب مرحوم کو گوناگوں اوصاف اور باوقار شخصیت سے نوازا تھا وہ ایک صاف گو، صاحب بصیرت، دوراندیش، خدا ترس سادہ، ایماندار، نہایت مہربان مددگار نافع الناس انسان ہونے کے ساتھ شفیق باپ اور ہمدرد پیار کرنے والے سسر بھی تھے اگرچہ وہ رسمی تعلیم کے لحاظ سے صرف نہم جماعت پاس تھے اس کے فوراً بعد ۱۹۶۵ میں آرمی میں بھرتی ہوگئے تھے مگر اس کے باوجود نہ صرف انھوں نے اپنی اولاد کی تربیت بطریق احسن کی اور ان تمام پہلوؤں کو نہایت باریک بینی سے مدنظر رکھا جو زندگی کے ہر معاملے میں معاون ومددگار ہوتے ہیں اور بڑے بڑے ڈگری یافتہ والدین عام طور پر اس کی پرواہ بھی نہیں کرتے اور لاڈ پیار کی آڑ میں اپنے بچوں کو ایسی عادات اور ہنر سکھانے سے محروم کر دیتے ہیں جو ان کی زندگی میں کامیابیوں کا گر ہوتی ہیں ابو ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ بچپن ہی عادات کی پختگی کی عمر ہوتی ہے اس میں اگر بچے کو ذمہ داری کی عادت نہ ڈالی جائے تو بڑی عمر ہو کر کبھی نہیں سیکھتے اور نہ ہی ان میں کسی کام کے کرنے کا رجحان پیدا کر سکتے ہیں بچپن کی عادتیں عمر بھر ساتھ چلتی ہیں اور کامیاب انسان بننے اور بنانے کی بنیاد رکھتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ہم بچوں میں بچپن میں جن عادات کو سیکھنے پر زور دیتے تھے ان میں وقت پر اپنا کام مکمل کرنا یعنی آج کا کام کل پر مت چھوڑو کی تاکید بہت کی جاتی تھی ان کا کہنا تھا کہ آج بھی تم نے ہی کرنا ہے اور کل بھی تم کو ہی کرنا پڑے گا اپنے لیے بوجھ اکٹھا نہ کرو وقت پر کام کر کے اپنی ذمہ داری ادا کرو دوسرا وقت کی پابندی سچائی اور ایمانداری پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرتے تھے ان کی طرف اس قدر توجہ تھی کہ ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتیں تھیں کہ غلط بیانی یا لاپرواہی سے کوئی کام کر لیا جائے بلکہ اگر کبھی بچپنے کی وجہ سے کوئی سستی ہوتی تو اس کی اچھی خاصی سرزنش ہوتی جس کے بعد آئندہ ایسا کرنے کا کبھی سوچتے بھی نہ تھے۔

ابو کی عادت تھی کہ اکثر جس بات پر ایک بار شکایت ملتی اس پر دوبارہ ہم شکایت کا موقع نہیں دیتے تھے کیونکہ نہ صرف ڈانٹ بلکہ مار بھی پڑنے کا خوف ہوتا تھا اس سے یہ بات سیکھی کہ ہر بات کو ایک بار ہی اچھی طرح سوچ سمجھ کر کرو پھر ساتھ جھوٹ کا سہارا لینا تو انھیں شدید ناپسند تھا اس لیے جھوٹ بولنا تو ہم نے کبھی سیکھا ہی نہیں تھا کیونکہ ان کی اپنی زندگی میں ایسا کچھ نہیں ہوتا تھا کہ وہ ہم سے جھوٹ بولیں یا ہم ان سے کچھ جھوٹ بول کر چھپا لیں نہ خود زندگی بھر کبھی اپنے کام میں بے ایمانی یا ہیر اپھیر اکرتے تھے اور نہ ہی اپنی اولاد میں کسی کو ایسا کرنے کی کبھی اجازت یا تربیت دی بلکہ ایمانداری کی پاسداری پر خوشی کا اظہار کرتے تھے۔ ہم تین بہنوں میں عمر کا فرق ایک دو سال سے زیادہ نہیں میں قرۃ العین اور عظمت النساء اکٹھے سکول جاتے تھے ہر روز رات کو سونے سے پہلے اپنا بستہ سکول کے لیے تیار کرنا اس میں موجود کاپیاں پنسل کتابیں اور ہوم ورک مکمل ہونا اور یونیفارم استری ہونا ہماری پوری پرائمری سکول کی زندگی کا حصہ رہا اور ابو باقاعدگی سے چیک کرتے تھے جس کا یہ اثر ہوا کہ اگلے سکول کے برسوں میں انھیں کبھی کہنا نہیں پڑا کہ کیا صبح کے لیے سکول کی تیاری مکمل ہے یا نہیں؟ اور وقت سے پہلے سکول کی تیاری کی عادت نے بہت کچھ سکھایا جیسے جیسے بڑے ہوتے گئے اس کے بہت فائدے حاصل ہوتے رہے ہیں نہ کبھی کوئی سکول سے شکایت آئی اور نہ کبھی کلاس میں شرمندہ ہونا پڑا پھر الحمدللہ اب گھریلو زندگی میں ہمیں سب اہم کام وقت سے پہلے مکمل کرنے کی عادت پڑ چکی ہے کہیں سفر پر جانا ہو پہلے سے تیاری مکمل کرنے میں دیر نہیں لگتی تمام اشیاء کی فہرست بنالی جاتی ہے جس کی بدولت کچھ بھولتا اور چھوٹتا بھی نہیں گھر میں کوئی ہنگامہ اور جھگڑا بھی نہیں ہوتا کہ یہ رہ گیا وہ کھو گیا وغیرہ اسی طرح جب مہمانوں کی آمد ہو کھانے کے برتن میز پر نہ صرف چنے ہوتے ہیں بلکہ کچھ دن پہلے مینو لکھ لیتے ہیں کہ کیا کیا بنایا جائے پھر مہمانوں کی آمد سے قبل کھانے کی ڈشز گرما گرم تناول کی لیے تیار ملتی ہیں مہمان داری میں کون سا کام کس وقت پر ہونا چاہیے اس کا پہلے سے ہی پروگرام طے ہوتا ہے ہفتہ بھر کون کون سے کام کرنے ہیں سب درج ہوتا ہے کب کہاں جانا ہے کس ذریعہ آمدورفت کو استعمال کرنا ہے وغیرہ سب کچھ قبل از وقت طے شدہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کبھی کسی بھی موقع پر تاخیر نہیں ہوتی وقت سے پہلے ہر اپائنٹمنٹ پر حاضری ہو جاتی ہے مجھے لندن میں نوکری کی تلاش تھی تو میرے لیے انٹرویو پر وقت پر جانا کوئی مشکل نہیں لگتا تھا اور نہ ہی فکر ہوتی تھی کہ کیسے تیاری کرنی ہے اپنی متعلقہ کاغذات کی فائل رات کو ہی تیار رکھ کر پرسکون سوتی تھی اور تیاری کے حوالے سے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا تھا۔ وقت پر اب پہنچنا عادت کا حصہ بن چکا ہے بچوں کی تعلیم اور تربیت میں کبھی غفلت نہیں برتی بلکہ زندگی کے ہر پہلو پر رہنمائی کرتے اور بہترین مشورے دیتے تھے اگرچہ آرمی کی نوکری کی وجہ سے کام کرنے والے نوکر موجود ہوتے تھے مگر اپ اپنے بچوں کو سکول کے جوتے پالش کرنے کپڑے استری کرنے اپنے کپڑے دھونے نماز پڑھنے نماز یاد کروانے دانت صاف کرنے لڑکیوں کو کھانا پکانے کا شوق پیدا کرنے میں خاص دلچسپی لیتے تھے اور ذاتی طور پر بچوں کے ساتھ مل کر کام کرتے تا کہ انھیں سکھانے میں آسانی ہو نوکروں سے گھر کے اندر کا۔ کوئی کام نہیں لیتے تھے اور نہ ہی ان کو گھر میں پردہ کی وجہ سے اجازت تھی کہ گھر میں داخل ہوں۔

اس کے ساتھ ہی بچوں کی تربیت اور معلومات میں اضافے کے لیے تشحیذ الاذہان۔ رسالہ بھی باقاعدگی سے آتا تھا اور اس کے تمام صفحات کو پڑھنے کے بعد جب پکوان کا حصہ ہوتا تو خود مزے مزے کے کھانے پکا کر کھلاتے اور ساتھ سکھاتے کہ ایسے کھانا تیار ہوتا ہے اس کے علاوہ گھر میں تمام جماعتی رسالے آتے تھے اور انھوں نے بہت چھوٹی عمر میں ہمیں احمدی اور غیر احمدی کا فرق سمجھا دیا تھا ہماری اور ان کی کیا رسومات اور تعلیمات ہیں بہت چھوٹی عمر میں ہمیں واضح طور پر علم تھا پمفلٹ اور کتب کی خریداری میں بہت ذوق وشوق سے حصہ لیتے تھے گھر میں انھوں نے جماعتی کتب کا ایک الگ حصہ مختص کیا ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ابو کو چھ بیٹیاں اور چار بیٹوں سے نوازا جن میں سے ۲۳ نواسے نواسیاں اور پوتے پوتیاں ہیں اور ۱۵ وقف نو کی بابرکت تحریک میں شامل ہیں اب بچوں کے بچوں کی تعلیم اور تربیت کے لیے اسی طرح فکرمند ہوتے تھے جیسے اپنی اولاد کے لیے تھے بچوں کی تربیت کے معاملے میں کسی طرح کی کوتاہی انھیں قابل قبول نہ تھی۔

❀❀❀

قوم کیلئے لمحہ فکریہ

ایسے اللہ والوں سے اللہ بچائے

تحریر: زیبا شہزاد

بہت دیر سے ایک موضوع ذہن مین تھا جس پہ لکھنے کا بہت بار سوچا لیکن اپنی ازلی سستی آڑے آتی رہی۔ لیکن چند دن پہلے ایک مفتی (سچی بات ہے ایسے لوگوں کے نام کے ساتھ صاحب لگانے کو تو ہر گز دل نہیں کرتا) کی ویڈیو کا خوب چرچا رہا۔ اس مفتی کی ایک طالب علم کے ساتھ سیکس کی ویڈیو وائرل ہوئی ہے۔ وہ ویڈیو میں نے نہیں دیکھی۔ اور نہ اس ویڈیو کو دیکھنے میں دلچسپی ہے۔ لیکن اس ویڈیو کے بارے جو پڑھا ہے اس نے میرے ہوش ہر گز نہیں اڑائے، نہ مجھے کسی قسم کی حیرت ہوئی ہے اور نہ ہی مجھے شدید ترین غصہ آیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ہم نے مولوی صاحبان کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کی ہوئی ہیں اس لیے ہمیں یہ واقعات نظر نہیں آتے۔

بقول طالب علم صابر مفتی کی طرف سے اسے سیکس کے لیے مجبور کیا جاتا رہا ہے اور اس کے نہ کہنے پہ جان سے مارنے کی دھمکی دی جاتی تھی۔ طالب علم کا اتنی دیر تک خاموش رہنا بھی بظاہر ایک جرم ہے لیکن اگر اس طالب علم نے دیر سے ہی بتانے کی ہمت کر لی اور انتظامیہ کو مفتی کے کرتوت بتائے۔ تو انتظامیہ نے کون سا اس الزام پر غور کرنے کی بھی ضرورت محسوس کی۔ مجھے اس بات پر ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی کہ مفتی نے یہ کیا کیا، بلکہ مجھے طالب علم پر حیرت ہوئی ہے کہ اس نے اپنے اندر اتنی جرات کیسے پیدا کی، اور مدرسے کے ناظم پر افسوس ہوا ہے کہ اس نے طالب علم کی اتنی بڑی شکایت پہ توجہ کیوں نہ دی۔

حق تو یہ تھا کہ اس شکایت پر توجہ کی جاتی اور انتظامیہ ذاتی طور پہ اس پر تحقیق کرتی۔ لیکن انتظامیہ کے لیے جیسے یہ کوئی بات ہی نہ تھی۔ لیکن شاید انتظامیہ کا بے حس بنے رہنا ہی بہتر تھا کہ اس طرح انتظامیہ کا پول تو کھلا کہ وہ مدرسہ چلانے کے کتنا قابل ہے۔ دوسرا مفتی کی حقیقت سامنے آگئی۔ ورنہ اس طالب علم کے جانے کے بعد کوئی دوسرا طالب علم مفتی کا نشانہ بنتا۔ میں یہ تو نہیں جانتی کہ مفتی اپنے بیان میں کس قدر سچا ہے لیکن مجھے اتنا یقین ہے کہ طالب علم جھوٹ نہیں بول رہا۔

لیکن جو بھی ہے ثبوتوں کے موجود ہونے کے باوجود کیا مفتی کو صرف مدرسے سے فارغ کرنا ہی کافی ہے؟ بلکہ اس کے لیے تو وہ شرعی سزا ہونی چاہیے جس کی شدت پسند مذہبی حمایت کرتے ہیں کہ صاحبان علم کی طرف سے ایسے فعل انجام دینا کوئی نئی بات نہیں ہے۔ کئی مولوی حضرات یہ غیر شرعی کام شرعی سمجھ کے کرتے رہتے ہیں۔ میرے اپنے علم میں کئی واقعات ہیں جن کا ذکر کرتے بھی شرم آتی ہے۔ یہ کالم لکھتے ہوئے مجھے انتہائی افسوس ہو رہا ہے۔ کہ میرے لکھے ہوئے کالموں میں یہ واحد کالم ہو گا جسے لکھتے ہوئے مجھے انتہائی شرمندگی ہو رہی ہے، کہ میں اپنے قاری کو کیا پڑھنے کو دے رہی ہوں، میں انھیں کیا بتا رہی ہوں، کہ میرے مذہب کا رکھوالا کس قدر نقب لگانے والا ہے۔ لیکن سچ سے منہ بھی نہیں موڑا جا سکتا۔ اور سچ بیان کرتے مجھے شدید دکھ ہو رہا ہے۔

شاید اس حقیقت سے کم ہی لوگ آشنا ہوں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ مولوی حضرات بچوں کو غیر محسوس طریقے سے چھوتے ہیں، ان سے بدفعلی کرتے ہیں۔ کبھی کوئی مولوی مدرسے میں پڑھنے والے بچے سے بدفعلی کرنے کے بعد اسے مسجد میں موجود کنویں میں ڈال دیتا ہے۔ تو کوئی مولوی بچے کو اپنا عادی بنا لیتا ہے۔ ایک ایسا واقعہ جس نے کچھ دیر کے لیے مجھے شاکڈ کر دیا تھا۔ میں نے جو بھی سنا، تو پھر کچھ دیر بولنے کی سکت بھی نہ رہی۔ وہ یہ تھا کہ مدرسے میں پڑھنے والے ایک طالب علم پر مولوی کا دل آ گیا۔ لڑکا مدرسے میں قرآن پاک حفظ کرنے کے لیے داخل ہوا۔ گھر دور ہونے کی بنا پہ اس کی سکونت مدرسے ہی میں تھی۔ وہ لڑکا قرآن کی تعلیم کے داخل کروایا گیا تھا، لیکن بدبخت قاری نے اس کو کوئی اور ہی تعلیم دی۔ اس کا لڑکے پہ دل آ گیا۔ وہ اس کے ساتھ بدفعلی کرتا۔ لڑکا بھی اس کا عادی ہو گیا وہ دونوں ایک دوسرے کا دل بہلاتے۔ شروع میں یہ بات کسی کو پتہ نہیں چلی۔ لیکن جب کافی وقت گزر گیا، لڑکا عمر کی منزلیں طے کرتا جا رہا تھا، لیکن اس کی تعلیم ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی، لڑکا گھر آنے سے کتراتا، گھر آتا بھی تو اسے واپسی کے لیے بے چینی ہوتی، تو گھر والوں کو فکر لاحق ہوئی۔

انھوں نے لڑکے کو مدرسے سے واپس لانا چاہا لیکن قاری اسے بھیجنے پر راضی نہ ہوا، اور لڑکے نے بھی گھر آنے سے صاف انکار کر دیا۔ تب رفتہ رفتہ بات کھلی۔ بات مدرسے کی انتظامیہ سے ہوتے، محلے، پھر پولیس اور پھر عدالت تک گئی۔ لیکن لڑکے نے عدالت میں قاری کے حق میں اپنا بیان دے دیا۔ کہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں

ہو رہی، یہ سب جھوٹ بول رہے ہیں، وہ قاری کے پاس اپنی مرضی سے رہتا ہے۔ اس دوران لڑکا بالغ ہو چکا تھا۔ تو پھر اس کے بیان کے بعد اس کے ماں باپ بھی کچھ نہیں کر سکے۔ اب وہ قاری کسی دوسرے گاؤں میں رہتا ہے۔ قاری اب بھی کسی مدرسے ہی سے منسلک ہے اور وہ لڑکا اسی کے ساتھ رہتا ہے۔

مفتی کی ویڈیو والی خبر سنی تو مجھے پھر سے وہی لڑکا اور قاری یاد آ گئے۔ ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں، نہ یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ مفتی کو یہ سب کرتے شرم نہیں آئی؟ جی نہیں اگر اسے شرم آتی ہوتی تو وہ یہ سب کرتا کیوں۔ یہ درندہ صفت لوگ ہر جگہ بھیس بدل کر موجود ہوتے ہیں۔ اور خدا کے لیے اس کے لیے شیطان کو موردِ الزام مت ٹھہرایئے گا۔ اس سارے قصے میں شیطان ہرگز شامل نہیں ہے۔ مجھے صابر نامی لڑکے پہ رشک آ رہا ہے جس نے مفتی کی حقیقت سامنے لانے کی جرات کی۔ جس نے بلیک میل ہونے کی بجائے مفتی کو ایکسپوز کیا۔ گو کہ کافی دیر کر دی، اگر یہ طالب علم اب بھی اپنے اندر یہ جرات پیدا نہ کرتا تو کہ کل کوئی اور صابر ہوتا اور یہی مفتی۔ خدا جانے ایسے کتنے صابر روز مولویوں کے ہتھے چڑھتے ہیں، کچھ بدفعلی کے بعد مر جاتے ہیں یا مار دیے جاتے ہیں۔ لیکن مولوی پر کوئی شک نہیں کرتا۔ مفتی کی ویڈیو سامنے آنے پر کافی لے دے ہو رہی ہے۔ لیکن کیا یہ پہلی بار ہوا ہے؟ جی نہیں اکثر ایسے درندہ صفت لوگ مذہب کا لبادے میں چھپے ہوتے ہیں، یہ گھات لگائے ہوتے ہیں، اور وار بھی کرتے ہیں۔ اور زیادہ تر ان کا شکار معصوم بچے ہوتے ہیں۔ لیکن مولوی مذہب سے جڑا ہے اس لیے لوگ اس پر اندھا اعتبار کرتے ہیں، اور کسی کو یہ سوچ بھی نہیں آتی کہ مولوی بدفعلی کرے گا۔ اسی لیے کوئی اس پہ نظر نہیں رکھتا اور یہی ہماری غلطی ہے کہ ہم جسے سر پہ بٹھا لیں اس کو پھر سر سے اتارتے نہیں۔

لیکن سوال یہ ہے کہ جب کوئی عام انسان ایسا گناہ کرتا ہے تو مذہب کے ٹھیکیدار اس پہ چڑھ دوڑتے ہیں کہ بچنے نہ پائے۔ تب یہ لوگ خود خدا بن جاتے ہیں اور ان مذہبی ٹھیکیداروں کے پاس گناہ کرنے والے کے لیے کوئی معافی نہیں ہوتی۔ لیکن جب ان مذہبی ٹھیکیداروں کے ہم منصب ایسا جرم کرتے ہیں تب یہ چپ سادھ لیتے ہیں۔ اور پھر انھیں سزا دینے کوئی مذہبی شدت پسند نہیں اٹھتا۔ اس وقت وہ مذہبی شدت پسند ٹولہ کہاں غائب ہوتا ہے جب مدرسے میں بیٹھنے والے مذہب کے نام پر 'مذہب' سے بدفعلی کرتے ہیں۔ قرآن کی حرمت یاد رکھتے ہیں نہ مذہب کا احترام۔ خدا یاد رہتا ہے، نہ رسول کے حکم پہ لبیک کہنا۔ معاشرے میں بے حیائی پروان چڑھنے کے سخت خلاف ہوں۔ لیکن جب مذہب کارڈ استعمال کرنے والے بے حیائی کریں تو پھر بدمعاش اچھے لگتے ہیں۔ مجھے بدمعاش لوگوں میں یہ خوبی لگتی ہے۔ کہ وہ جو ہوتے ہیں اس کو چھپاتے نہیں۔ برا کرتے ہیں تو ڈنکے کی چوٹ پہ کرتے ہیں۔ کم از کم ٹوپی اور تسبیح کی آڑ نہیں لیتے۔ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر منہ کو حرام لگاتے ہیں اور نہ تسبیح کا سہارا لیتے ہیں۔ کچھ لوگ خود کو یوں ظاہر کرتے ہیں کہ ان سے زیادہ برگزیدہ کوئی نہیں۔ اور خدا جانتا ہے جو جتنا دکھاوا کرتا ہے وہ اتنا ہی۔ شرعی داڑھی، سر پہ ٹوپی، ہاتھ میں تسبیح، لوگوں کو دیکھ کر زور زور سے خدا کا ورد کرنے والوں کی آنکھوں میں چھپی خباثت کوئی نہیں دیکھتا، اس لیے کہ لوگ ان کی آنکھوں میں دیکھنا بے ادبی سمجھتے ہیں۔ لیکن ایسے اللہ والوں سے اللہ بچائے۔ ان کی آنکھوں میں اتری کمینگی کو لوگ ان کی عبادت کی کثرت سمجھتے ہیں۔ لیکن اکثر یہ سرخ ڈورے ان کے اندر کی خباثت کو عیاں کر رہے ہوتے ہیں، لیکن کوئی آنکھیں کھولے تب نا۔

جن صاحبان کے پاس آپ اپنے بچوں کو تعلیم کے لیے بھیجیں خدارا ان پر چیک اینڈ بیلنس رکھیں، ان پر اندھا اعتماد مت کریں۔ اگر کوئی شک ہوتا ہے یا پھر کوئی بچی یا بچہ ایسی شکایت کرے تو مولوی کو ہی قابل اعتبار نہ سمجھیں، ممکن ہے دوسرا بھی جھوٹا نہ ہو۔ جس دن لوگوں نے اپنی آنکھیں کھول لیں اس دن ایسی کسی ویڈیو بنانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ بہت سارے صابر خود ہی نظر آ جائیں گے۔ کہ صابر بھی بہت ہیں اور ایسے مولوی صاحبان کی بھی کمی نہیں۔ ان کو روکنے کے لیے کوئی معقول اقدام نہیں کیے گئے، تو پھر یہ بڑھتے جائیں گے۔

غزل

حمیرا ناصر

اپنے جی کے زیاں پہ لکھوں گی
قصۂ رائیگاں پہ لکھوں گی

حرف شاید ہو معتبر کوئی
اپنے اس خوش گماں پہ لکھوں گی

جس کا ہر تیر تھا نشانے پہ
ایسی ظالم کماں پہ لکھوں گی

سارے بن کے خدا جہاں بیٹھے
ایسے کوئے بتاں پہ لکھوں گی

اک ہجوم خیال میں گم ہوں
کس پہ کیسے کہاں پہ لکھوں گی

جو تری دسترس سے دور رہا
ذات کے اس نشاں پہ لکھوں گی

بس گئی ہے ازل سے جو مجھ میں
روح کی اس خزاں پہ لکھوں گی

اہلِ دل آشنا ہوئے جس سے
درد کی اس زباں پہ لکھوں گی

مختلف ادوار میں ادیب کی بدلتی ہوئی سماجی حیثیت

تحریر: ہما شہزادی

اجتماعیت کا دور جس میں ادیب کو کوئی الگ شناخت حاصل نہ تھی ایسے دور میں پیدا ہونے والا ادب اجتماعیت پر مبنی تھا اسے کسی ایک فرد کے ساتھ موسوم نہیں کیا جاتا تھا۔

جب کہ دوسرے دور کا ادب جسے ہم کلاسیکی ادب کا نام دیتے ہیں اس میں ہمیں ادیب تین حصوں میں بٹا دکھائی دیتا ہے

پہلے نمبر پر ایسا ادیب جو دربار اور درباری روایت سے براہ راست جڑا ہوا ہوتا ہے

دوسرے نمبر پر ایسا ادیب جو دربار سے براہ راست جڑا ہوا تو نہیں ہوتا لیکن اس روایت سے ضرور وابستہ ہوتا ہے جس کو ہم درباری روایات کا نام دیتے ہیں جب کہ تیسرے نمبر پر ایسا ادیب جو نہ تو کسی دربار سے براہ راست جڑا ہوتا ہے اور نہ ہی اس روایت کا حصہ ہوتا ہے بلکہ اس کے ہاں ایک عوامی رنگ نظر آتا ہے جس کی بہترین مثال نظیر کی ہے

اس دور میں تخلیق ہونے والا ادب کو اگر موضوعاتی حوالے سے دیکھا جائے تو زیادہ تر ایسے موضوعات سامنے آتے ہیں جو اشرافیہ کے موضوعات ہوتے ہیں عوامی رنگ قدرے کم نظر آتا ہے اس میں زبان و بیان کے حوالے سے بھی اشرافیہ کا طرز اپنایا جاتا ہے ایسا ادیب شعوری طور پر اشرافیہ کی زبان میں ادب تخلیق کرتا ہے کیونکہ ہر دور میں تخلیق ہونے والے ادب کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں کلاسیکی دور میں تخلیق ہونے والے ادب کے تقاضے ہمیں درباری تقاضوں سے ملتے جلتے دکھائی دیتے ہیں

یہی وجہ ہے کہ کلاسیکی دور میں ہمیں چند موضوعات کی اہمیت واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔

اس دور کا ادیب اپنے سماج سے اٹیچ یعنی جڑا ہوا دکھائی دیتا ہے اس کو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس کے ہاں انفرادی شناخت اور اجتماعیت کا تصور بیک وقت پایا جاتا ہے

وہ ایک سطح پر انفرادی اظہار بھی کرتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اجتماعیت کا پرچار بھی کرتا ہے جبکہ اس کے برعکس اگر اجتماعیت کے عہد کو دیکھا جائے تو اس میں صرف ہمیں اجتماعیت ملتی ہے فرد کی شناخت اس طرح نظر نہیں آتی جس طرح کلاسیکی دور میں نظر آتی ہے

تیسرے دور میں ادیب کی حیثیت یکسر بدلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اس کے پیچھے کہیں محرکات موجود ہیں اگر نوآبادیاتی عہد کی بات کی جائے تو اس دور کا مصنف اور ادب استعماری پالیسیوں سے براہ راست متاثر نظر آتا ہے

نوآبادیاتی دور کا تخلیق کار دربار اور مشاعرے کی محدود و مخصوص فضا سے نکل کر نسبتاً وسیع عوامی منطقے میں داخل ہوا شاعر اور مربی میں جو تعلق تھا اس نے مصنف اور قاری کے رشتے میں ایک نئی جہت حاصل کی جس نے نے مصنف کا نیا سماجی کردار متعین کیا وہ جو پہلے مربی کا دست نگر تھا اب قاری کا اصلاح، رہنما بن کر سامنے آیا یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس کردار کے تعین میں ادیب آزاد نظر نہیں آتا بلکہ یہ راستہ استعمار سے ہو کر استعماری محکموں سے ہو کر گزرتا ہے کتاب کی اشاعت کے حوالے سے مخصوص پالیسیز اور کتاب کی اشاعت کے بعد انہیں سالانہ رپورٹ میں جمع کروانا اپنے من چاہے رجحانات اور موضوعات کی ترویج کے لیے انعامی سلسلہ کا اجراء نے بالواسطہ یا بلاواسطہ ادبی پیداوار کو متاثر کیا اس کے علاوہ نئی اصناف میں ادب کی تخلیق جن میں نظم اور ناول سرفہرست ہیں اس نے بھی مصنف کی تخلیقی عمل پر گہرا اثر ڈالا اس دور میں ایک خاص اسلوب اختیار کروایا گیا جو کہ استعماری قوتوں کے مفادات کے عین مطابق تھا

اگر استعماری دور کے ادب یا ادیب کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے ایک وہ ادیب جس کو ہم پیڈ یا کرائے کے ادیب کہہ سکتے ہیں جس کی مثال فورٹ ولیم کالج میں ہونے والی عملی سرگرمیاں اور اس میں شامل تخلیق کار ہیں جس کی مثال میر امن کی باغ و بہار اور اس جیسی تخلیقات ہیں

اس کے برعکس ہمیں دوسرے حصے میں وہ ادیب نظر آتے ہیں جو براہ راست تو استعمار کے کسی خاص ادارے سے جڑے نظر نہیں آتے لیکن وہ اپنی تخلیقات میں کہیں کہیں استعماری بیانیہ کو اہمیت دیتے ہوئے نظر آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ایسی تخلیقات کو استعمار کے حکمران انعام و اکرام سے نوازتے نظر آتے ہیں جس کی مثال ڈپٹی نذیر احمد کا ناول توبتہ النصوح ہے

نوآبادیاتی عہد کے بعد ادیب کی سماجی حیثیت مزید بدلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے جس کو جدید دور یا مابعد نوآبادیاتی دور کہا جاتا ہے ادیب کی اس سماجی حیثیت کے بدلنے میں بھی بہت سے نظریات اور تحریکوں کا عمل دخل شامل ہے

سرمایہ دارانہ نظام کے نتائج، رومانوی، علامتی، حقیقت پسندانہ، جدیدیت، مابعد جدیدیت ساختیات، پس ساختیات، لسانی تشکیلات، تاریخیت، نوتاریخیت اور ایسی مختلف تھیوریز اور تحریکوں نے ادیب کے سماجی اور انفرادی سطح پر حیثیت کو متعین کیا

ان میں سے ہر ایک تحریک اور تھیوری اپنے اپنے ساتھ مختلف اور دلچسپ اسالیب اور موضوعات لے کر وارد ہوئیں اس دور میں تخلیق کا وہ مثلث جس کا ایک زاویہ مصنف، ایک تخلیق اور ایک قاری تھا ختم ہو گیا۔ ابھی تک معنی آفرینی کے لئے تخیل آرائی، جذبے، تجربے اور محسوسات کا مطالعہ کیا جاتا تھا اور معنیاتی تہہ داری کی تفہیم کی جاتی تھی۔ اب ساری معنی آفرینی کا انحصار صرف قرات پر کر دیا گیا۔ نہ مصنف کچھ ہے اور نہ منشائے مصنف،

رولاں بارتھ نے تو ادیب کی موت کا اعلان ہی کر دیا ہے کہ تخلیق کے بعد مصنف سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔ تحریر خود لکھتی ہے، یعنی مصنف ایک ذریعہ ہوا اور ذریعے کا اپنا منشاء نہیں ہوتا اس لئے وہ اسے کوئی معنی نہیں دے سکتا۔ معنی قاری طے کرے گا اور اس کی قرات طے کرے گی۔

اس طرح مصنف اجتماعیت اور سماج سے کٹ کر انفرادیت کا حامل ہو گیا اور وہ روایت جو پچھلے دو ادوار میں ہمیں نظر آتی ہے جسے ہم نے اجتماعیت اور کلاسیکی دور کا نام دیا وہ یہاں یکسر بدلتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں آج کی سماج کے مسائل موضوعات اور فکری منظر نامہ اس حد تک بدل چکا ہے کہ جس نے ادیب اور اس کے تخلیقی کو براہ راست متاثر کیا ہے آج ادب بھی ایک پروڈکٹ کی شکل اختیار کر گیا ہے اور اس کے ساتھ بھی وہی حربے استعمال کیے جاتے ہیں کہ جو ایک پروڈکٹ کے ساتھ کیے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج کا ادیب بھی ایک آجر کی صورت اختیار کر چکا ہے

❀❀❀

ستاری پردہ پوشی

تحریر: بشریٰ بامی انگلینڈ

ستر سے مراد پردہ اور ”ستاری“ کے معنی پردہ داری یا ڈھانپنے کے ہیں۔۔

عرف عام میں اسکا مطلب کسی کی برائی یا بری بات کو تشہیر کرنے کے بجائے ڈھانپ دینے کے ہیں۔۔ خدا کی بے شمار صفات میں ایک صفت ”ستار“ بھی ہے وہ اپنے بندوں کے بیشمار غلطیوں اور نافرمانیوں پر پردہ ڈالتا ہے، بخشتا ہے اور اپنی مخلوق پر نظر کرم کر کے پھر بن مانگے اسے سب کچھ عطا بھی کرتا ہے۔۔

میں اس وقت جو بات کرنا چاہوں گی وہ فی زمانہ عائلی جھگڑے فساد گھر ٹوٹنے کا سبب ستاری کی بجائے عیوب کی تشہیر ہی ان کی سب سے بڑی وجہ بن رہی ہے۔ خدانخواستہ اگر بات بڑھتے بڑھتے عدالت میں چلی جاتی ہے تو پھر الاماں۔۔ والحفیظ

خواہ وہ مرد ہو یا عورت دونوں اطراف سے ایک دوسرے کے عیوب اور غلط رویوں کو سرعام بتایا جاتا ہے۔ تشہیر کی جاتی ہے غلط بیانیوں سے سب لحاظ داری کی چیر پھاڑ کر دی جاتی ہے جبکہ قرآن کریم میں بیوی اور شوہر کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے اگر فی الوقت ستر پوشی سے کام لیا جائے تو اتنے بھیانک واقعات اور قصے منظر عام پر نہ آئیں جو معاشرے میں بگاڑ کی صورت اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں- آئے دن طلاق، خلع سے گھر اجڑ رہے ہیں بچوں کا مستقبل تباہ ہو رہا ہے- بعض برائیاں فیشن بن جاتی ہیں— مثلاً پرانے زمانے میں لڑکے باہر چھپ کر سگریٹ پیا کرتے تھے بزرگوں کے سامنے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا بزرگ بھی ستر پوشی کرتے تھے۔ کبھی کبھار چپ کر کے سمجھا دیا اور عادت چھوٹ گئی۔ حجاب قائم رہا بے حجابی پنپی نہیں۔ ہمارے بزرگ ستاری کرتے تھے محلے کی عزت سانجھی سمجھی جاتی تھی۔ بات کو بڑھاوا نہیں دیا جاتا تھا بلکہ اصلاح کی کوشش کی جاتی تھی۔

لیکن یہی بُرائی اب آج کے زمانے میں آپ دیکھیں سرعام تمباکو نوشی فیشن بن گیا۔

”شتر بے مہار“ ہو کر بڑی بڑی بُرائیاں سرعام ہونے لگیں ہیں۔

وجہ ستاری کا فقدان کیونکہ ”پردہ رہا نہ پردہ داری رہی“ اور برائیوں میں سب شامل ہو کر رہ گئے۔ چھوٹے بڑے کی تمیز کئے بغیر غیبت جڑ پکڑتی گئی اور سچی بات کہ ہم عورتوں میں ستاری کا فقدان زیادہ ہے۔ پردہ ڈالنے کی بجائے ایک دوسرے کو بڑھا چڑھا کر بتایا جاتا ہے فلاں کی یہ بات فلاں نے یہ کیا، کہا اور نہ جانے کیا کیا۔۔

سو ستاری ایسی صفت ہے جو باہم حجاب پیدا کرتی ہے، برائی کو پنپنے نہیں دیتی، عفو کا جذبہ پیدا کرتی ہے، آپس میں بگاڑ نہیں پیدا ہونے دیتی، اصلاح کا بیج بوتی ہے، غیبت کا قلع قمع کرتی ہے، معاشرے میں سکون کا باعث بنتی ہے، دلوں میں محبت اور احترام پیدا کرتی ہے، گناہ کو ختم کرتی ہے۔ لیکن ہمیں منفی پہلو پر بھی بات کرنا ضروری ہوگا اگر برائی پر مسلسل تواتر سے پردہ ڈالتے گئے اور اصلاح کی سرزنش نہ کی جائے تو کرنے والا عادت قبیح میں مبتلا ہو جائیگا سو ایسے حالات میں ستاری کرتے ہوئے سرزنش کے ساتھ ساتھ سزا بھی ضروری ہو جائیگی۔ لیکن حکمت عملی سے راز داری سے عزت نفس کا خیال کرتے ہوئے۔ ہمیں اسلاف کے نقش پا پر چلنا ہوگا۔۔ اور سب سے اہم بات۔ خدا کی ستاری کی صفت کو اپنی زندگیوں کا لائحہ عمل بناتے ہوئے اور اس کو لاگو کرتے ہوئے اپنی زندگی گزاریں۔۔ خدا ہم سب کو توفیق عطا کرے آمین ❀❀❀

کرامت رکھی ربّ نے دستِ بشر میں

(بشریٰ سعید عاطف مالٹا)

کرامت رکھی ربّ نے دستِ بشر میں
بڑا معجزہ ہے دعا کے اثر میں
کرو فیصلہ ربّ پہ کر کے بھروسہ
رکھا کچھ نہیں اس اگر اور مگر میں
سبھی کی ضرورت میں جو کام آئے
وہی شخص ہے معتبر اِس نظر میں
صحافت بھی اب نام کی رہ گئی بس
صداقت نہیں کوئی جھوٹی خبر میں
کہیں راستہ بھول جائے نہ گھر کا
دیے رکھ دیے ہیں تری رہگزر میں
محبت کی چوٹی ہے سر کرنی مجھ کو
بڑے حوصلے ہیں مرے بال و پر میں
کہاں تیری صورت کبھی بھولی بشریٰ
رہا عکس تیرا مری چشمِ تر میں

❀❀❀

تاریخ کے جھروکوں سے

ثاقب زیروی کے ہفت روزہ ”لاہور“ کی کہانی

آج کچھ دل میں میرے درد سا ہوتا ہے۔ کیوں نہ مختصراً ”لاہور“ کی کہانی ہی لکھ دی جائے۔ جس پر گزشتہ پچاس سالوں میں ایسے وقت بھی آئے کہ مالیاتی کمزوری دیکھ کر ساتویں دن کی بجائے پندرھویں دن اِکٹھا پرچہ نکالنے کا قصد کیا۔ مگر اُس مسبب الاسباب نے ایسے حالات پیدا کر دیئے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ ”لاہور“ کو پہلے چار پانچ سال اشتہارات ملتے رہے اس کے بعد بند ہو گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ ہم امورِ مملکت کو مقتدرین کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ بھٹو صاحب کے دور میں مصائب کا آغاز ہوا اور اب تک جاری ہے۔ ”تحفظ ختمِ نبوت“ والے بھٹو صاحب پر سوار تھے راؤ رشید (انسپکٹر جنرل پولیس کے دور میں ان کے عزیز راؤ عبدالمنان آف سرگودھا کی) بھٹو صاحب سے ہاٹ لائن پر گفتگو ہوتی تھی۔ ان سے ”لاہور“ کے پرنٹر (ثاقب زیروی) اور پبلشر م۔ش (محمد شفیع میاں) کے خلاف سرگودھا کے ایک مجسٹریٹ صاحب کی عدالت میں ”ازالہ حیثیت عرفی“ کا کیس دائر کروایا گیا۔ جس میں آؤ دیکھا نہ تاؤ مجسٹریٹ صاحب نے سمن اور وارنٹ بھجوانے کی بجائے ”وارنٹ گرفتاری“ جاری کر دیئے کیونکہ بھٹو صاحب اس کیس میں دلچسپی لے رہے تھے جو ہمیں ہائیکورٹ سے معطل کرانے پڑے۔ جب سرگودھا کے کیس میں ہزیمت فاش اٹھائی تو ”ڈیفنس آف پاکستان رولز“ لگا دیئے جن دو مقدمات میں 25 سال کی سزا تھی۔ ہم ابھی ضمانت قبل از گرفتاری کے لیے ہائیکورٹ کا دروازہ کھٹکھٹا ہی رہے تھے کہ مارشل لاء لگ گیا۔ ”ڈی پی آر“ کیس ختم ہو گیا اور جنرل ضیاء الحق آ گئے۔ جنرل ضیاء الحق نے نہ صرف اشتہارات بند کیے۔ نیوز پرنٹ کا کوٹہ بند کیا۔ ٹی وی ریڈیو پر میرے لیے چٹخنیاں چڑھا دیں پبلک مشاعرے تک بند کر دیئے۔ ”جماعت احمدیہ“ ودائرہ اسلام سے خارج کرنے کے بعد اہلِ صحافت نے یہ کرم فرمائی کی کہ ”لاہور“ کو قادیانی ہفت روزہ لکھنا شروع کیا۔ حالانکہ مَیں قادیان کا رہنے والا نہیں اور نہ ”لاہور“ جماعت ہی کا پرچہ ہے۔ نواز شریف صاحب سے پانچ کریمنل کیس بنوائے۔ جب ”ان کیسز“ میں بریت ہی ہوئی تو نواز شریف صاحب نے ڈیکلریشن کی منسوخی کا آرڈر ڈپٹی کمشنر صاحب کو بھیج دیا جو ساڑھے چار سال تک چلتا رہا۔ حتیٰ کہ جنرل ضیاء آپ نے تیس جرنیلوں سمیت ”عذاب النار“ کی نذر ہو گئے۔ اور ہماری جان چھوٹ گئی۔ ہم نے تین ہزار کے سرمائے سے پرچہ نکالا تھا اس لیے ابتدائی چند سالوں میں تو حالت سخت ناگفتہ بہ رہی۔ لاہور کے نمائندہ خصوصی کراچی میں ”یوزید تاثیر“ تھے۔ آخر وقت میں ریٹائرمنٹ کے بعد تو ان کی مالی حالت بہت ہی بہتر ہو گئی تھی۔ وہ ”مسرت ڈائجسٹ“ کے ایڈیٹر تھے ”اپنا گھر“ کے ایڈیٹر تھے۔ سندھ گورنمنٹ ایمپلائز ایسوسی ایشن کے سیکرٹری جنرل تھے۔ ہر مہینے میں کم از کم دس دن بیرونی ملکوں میں گزارتے تھے۔ وہ ”لاہور“ ی کچھ رقم صرف کر بیٹھے۔ ان سے دوستی بھی تھی بلکہ استادی و شاگردی کا رشتہ تھا۔ انہیں لکھ نہیں سکتا تھا۔ مگر ”لاہور“ کی حالت پتلی تھی۔ جب صورت حال کچھ زیادہ ہی خراب ہو گئی تو میں نے منشی لال دین (کاتب) سے کہا کہ کیوں نہ اس دفعہ ناغہ کریں اور ایک کاپی بڑھا کر پندرہ دنوں کے بعد اکٹھا پرچہ شائع کر دیں۔ مگر وہ قدرے متذبذب تھے کہ شاید مسبب الاسباب کوئی صورت بنا دے۔ ایسے لمحے تو ہم پر کئی دفعہ آئے ہیں۔ اور مَیں نے بھی آستانہ الوہیت پر سر رکھ دیا۔ اگلے دن کچھ مصروفیت تھی جب مَیں دفتر میں پہنچا تو منشی جی نے بتایا کہ ایک ڈاکیہ منی آرڈر لے کر آیا تھا۔ مگر آپ نہیں تھے۔ اور وہ مجھے دے نہیں رہا تھا۔ ابھی ہم بات ہی کر رہے تھے کہ ڈاکیہ پھر آ گیا۔ سات سو کا ”ٹی ایم او“ لے کر جو تاثیر صاحب نے بھیجا تھا۔ مَیں نے الحمد للہ پڑھ کر تاثیر صاحب کو فوراً خط لکھا کہ شاید آپ نے واجب الادا رقم ادا کی ہو مگر حقیقت میں احسان فرمایا کہ اس وقت صورتحال یہ تھی کہ ہم ہفت روزہ کی بجائے پندرھویں دن پرچہ شائع کرنے کا سوچ رہے تھے۔ اور میرا خط ملنے کے بعد انہوں نے ”ٹی ایم او“ ہی کے ذریعے تین سو اور بھجوا دیئے“ اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ جو وقت پر کام آئے وہی اصل دوست ہوتا ہے۔ (تجربات جو ہیں امانت حیات کی) ❀❀❀❀

غزل

منصورہ منؔ

کبھی جگنو کبھی آنکھوں میں تارے جھلملاتے ہیں
محبت کے فسانوں میں یقیناً غم بھی آتے ہیں
دلِ مضطر بنا ہے آشیانہ بیتے لمحوں کا
تری یادوں کے طائر آ کے اُڑنا بھول جاتے ہیں
فقط گاتے نہیں عاشق وصالِ یار کے نغمے
محبت کرنے والے ہجر کے بھی گیت گاتے ہیں
کوئی چلتا نہیں ہے دو قدم بھی ساتھ اب میرے
مسائل کتنے ہی یوں تو مرے ہمراہ آتے ہیں
یہ عاشق بھی عجب شے ہیں دکھی دل کی تسلی کو
کبھی مجنوں کبھی فرہاد کے قصے سناتے ہیں
صبح ہوگی یقیناً، شام کو اک بار ڈھلنے دو
ترے جھوٹے دلاسے زندگی، منؔ کو رلاتے ہیں

ہیر رانجھا- کیا حقیقت کیا فسانہ

پاک و ہند کی تاریخ لوک رومانوی داستانوں سے بھری ہوئی ہے، مگر اِن داستانوں میں ہیر رانجھا کی کہانی نے جو بامِ عروج حاصل کیا وہ کم ہی کسی رومانوی داستان کو نصیب ہو پایا ہے۔ چند دہائیاں پہلے یہ قصہ دیہاتوں میں لگنے والی شام کی محفلوں کا لازمی جز ہوا کرتا تھا۔ خوش الحان میراثی، شوقیہ گائیکی کے شوقین اور پیشہ ور قصہ گو دن بھر کے تھکے ہارے کسانوں اور محنت کش مزدوروں کو شام کی کچہریوں میں لہک لہک کر یہ داستان سناتے جو نظم میں بھی ہوتی اور نثر کی شکل میں بھی۔ وہ زمانے لد گئے جب ایسی محفلین سجا کرتی تھیں۔ جب سے دنیا گلوبل ویلیج بنی دنیا کے گولے سے اِن خوبصورت روایات کا تو جیسے خاتمہ ہی ہوگیا ہے اور شام کی محفلیں اب قصہ پارینہ ہو چکیں۔ ہیر رانجھا کی رومانوی داستان کا مرکزی کردار 'رانجھا' دراصل کردار کا نام نہیں بلکہ رانجھا تو اِس کی قومیت تھی اور اِس کا نام تو میاں مراد بخش عرف میاں رانجھا تھا، کم از کم میں تو اِس بات سے نا واقف تھا، شاید بعض قاری بھی یہی سمجھتے ہوں۔ اِس بات کا ادراک پہلی بار میاں رانجھا کے آبائی گاؤں تخت ہزارہ جاتے ہوئے ہوا، جب سیال موڑ کے بعد یکے بعد دیگرے بدر رانجھا، مُدھ رانجھا کے چھوٹے چھوٹے قصبات سے گزرا۔ جوں جوں تخت ہزارہ کی جانب سفر طے ہوتا ہے دُکانوں کے نام کے ساتھ 'رانجھا' نام کا دم چھلا بڑھتا جاتا ہے۔ رانجھا موبائل شاپ، رانجھا ٹریڈرز، رانجھا آٹوز، رانجھا کریانہ اسٹور، رانجھا فلاں رانجھا فلاں، یعنی رانجھا قوم کی کثرت کے سبب یہاں رانجھا نام مستعمل ہے۔

رانجھا کا آبائی گاؤں

تختِ ہزارہ سرگودھا کے مشرق میں دریائے چناب کے کنارے پر آباد ایک خوبصورت سرسبز اور خوشحال قصبہ ہے۔ یہاں کے اکثر باسی کاشتکاری سے وابستہ ہیں۔ یہاں کی زمین ریتلی نرم اور انتہائی زرخیز ہے۔ آب و ہوا چاول، گندم، لیموں، مالٹا، آم، بانس اور سبزیوں کی کاشت کے لیے کافی موزوں ہے لیکن تختِ ہزارہ کی وجہ شہرت ہیر رانجھا کی وہ رومانی داستان ہے جس پر پاک و ہند میں بیسیوں فلمیں اور ڈرامے بن چکے ہیں۔ اِس قصے کو نظم و نثر میں بھی کثرت سے بیان کیا گیا ہے۔ اگر کوئی قاری یہ سوچ رہا ہے کہ میاں رانجھا کے آبائی گاؤں میں میاں رانجھا کی کوئی بڑی سی یادگار ہوگی تو وہ میری طرح مغالطے میں ہے۔ اِس خیال کے تحت یہاں آنے والوں کو صرف مایوسی ہوتی ہے۔ تختِ ہزارہ میں داخل ہوتے ہی دائیں جانب برلب سڑک ایک امام بارگاہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہاں میاں رانجھا کا گھر ہوا کرتا تھا لیکن شاید یہ ایک مفروضہ ہی ہے، کیونکہ اِس بات کی تصدیق یہاں کے مقامی لوگ بھی نہیں کرتے۔ بہر حال یہ ایک تاریخی گاؤں ہے جس کا پرانا نام کہیاں والا تھا۔ کسی مغل شہنشاہ نے دورانِ سفر اِس جگہ پڑاؤ کیا اور بادشاہ کا تخت یہاں بچھایا گیا جس کی مناسبت سے اِس جگہ کا نام تختِ ہزارہ ہو گیا، جو اب تک تختِ ہزارہ کے نام سے موسوم چلا آتا ہے۔

ہیر رانجھا کی داستان

ہیر رانجھا کی داستان یوں تو کئی طریقوں سے بیان کی جاتی ہے لیکن کہانی کا نفسِ مضمون میاں رانجھا اور عزت بی بی عرف مائی ہیر سیال کی لازوال محبت کے گرد ہی گھومتا ہے۔ متفق علیہ بیانیہ ہے کہ میاں رانجھا چار بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہے۔ چھوٹا ہونے کے ناطے والد کا چہیتا ہے۔ بڑے بھائی کھیتی باڑی کرتے ہیں، جو شادی شدہ ہیں جبکہ میاں رانجھا فکرِ معاش سے بیگانہ سیر و سیاحت کا عادی اور بانسری بجانے کا شوقین ہے۔ میاں رانجھا بچپن سے ناز و نعم میں پلا ہے جس نے دُکھ نہیں دیکھے۔ والد کی وفات کے بعد میاں رانجھا کی مشکلات کا دور تب شروع ہوتا ہے جب بھائی والد کے ترکہ میں سے زمین کا حصہ دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ رفتہ رفتہ نوبت کھانا پانی بند ہونے تک پہنچ جاتی ہے تو میاں رانجھا اپنی کُل کائنات تن کے جوڑے اور بانسری کے ساتھ گاؤں چھوڑتے ہیں اور پھرتے پھراتے ہیر سیال کے گاؤں جا پہنچتے ہیں۔ عزت بی بی عرف مائی ہیر ایک خوبصورت نوجوان لڑکی ہے جس کے حُسن کے چرچے زبان زدِ عام ہیں۔ میاں رانجھا پانی گھاٹ پر پانی بھرنے آئی ہیر کو دیکھتے ہی سو دل و جان سے فریفتہ ہو جاتا ہے اور بے خود ہو کر بانسری بجانے لگتا ہے۔ ہیر اس نووارد اجنبی میاں رانجھے کی سن گن لیتی ہے، اپنے والد کو قائل کرتی ہے اور میاں رانجھے کو مال مویشی چرانے کا کام سونپ دیتی ہے۔ اب میاں رانجھا مویشی چراتے اور بانسری بجاتے پھرتے ہیں۔ بانسری سے نکلنے والی مدھر سُروں نے بالآخر ہیر کا دل موہ لیا اور وہ میاں رانجھا کے عشق میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے لیے اپنے دل میں پیار کا جذبہ محسوس کرتے ہیں اور محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ بعد از اظہار ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ بالآخر ایک دن ہیر کا چچا کیدو ہیر رانجھا کو عند الملاقات دیکھ لیتا ہے۔ کیدو ایک حاسد اور منہ پھٹ انسان ہے جو اِن دونوں کی خفیہ محبت کا پردہ چاک کر دیتا ہے۔ ہیر رانجھا کی محبت کا چرچا عام ہونے کے بعد مزید بدنامی سے بچنے کے لیے، ہیر کے والدین نے زبردستی ہیر کی شادی کر دی۔ میاں رانجھا اپنی ہیر کے بیاہے جانے پر سخت دل برداشتہ ہوا، اِسی صدمے میں گرفتار بغل میں بانسری دابی اور پھر جنگل بیاباں میں سرگرداں پھرنے لگا۔ اِسی دوران میاں رانجھا کی ملاقات بابا گورکھ ناتھ سے ہوئی جو جوگیوں کے ایک فرقے 'کن پھٹا' کا بانی تھا۔ گورکھ ناتھ کی تبلیغ سے میاں رانجھا نے گیروا لباس زیب تن کیا، ہاتھ میں کاسہ لیا اور جوگی بن گیا۔ اُس نے اپنے کان چھدوائے، دنیا کو خیر باد کہا اور سادھو سنت کا بھیس اوڑھ لیا۔ پھر گاؤں گاؤں، نگر نگر پھرتا پھراتا آخر کار اُسی دیہات پہنچ گیا جہاں ہیر بیاہی گئی تھی۔ رانجھا وہاں ڈیرہ ڈال کر بیٹھ گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہیر نے بھی

اپنے رانجھا کو پہچان لیا۔ رانجھا چوری چھپے ہیر کا دیدار کیا کرتا۔ ہیر اپنی سہیلی اور نند سہتی کے ساتھ مل کر ایک منصوبہ بناتی ہیں، جس کے تحت ہیر کو زہریلا سانپ ڈس لیتا ہے جس پر سہتی کہتی ہے کہ اس سانپ کا زہر نکالنے کے لیے سادھو کو بلوانا ہوگا، سادھو اور کوئی نہیں رانجھا ہوتا ہے، ہیر اور سادھو کو ایک کمرے میں بند کر دیا جاتا ہے اور یوں رانجھا اور ہیر موقع ملتے ہی گاؤں سے بھاگ آتے ہیں۔ مگر دونوں نے خود سے شادی کرنے کے بجائے واپس ہیر کے گاؤں آنے کا فیصلہ کیا تاکہ گھر والوں کو منایا جا سکے۔ ابتدائی طور پر تو ہیر کے والدین کے دل میں بیٹی کی محبت اور ضد غالب آئی، مگر کچھ تکرار کے بعد وہ اپنی بیٹی کی شادی میاں رانجھا سے کرنے پر راضامند ہو گئے۔ مگر حاسد کیدو نے عین شادی کے دن زہریلے لڈو کھلا کر ہیر کا کام تمام کر دیا۔ رانجھے تک یہ خبر پہنچی تو وہ روتا پیٹتا اپنی محبوبہ کی طرف بھاگا۔ ہیر کو مردہ دیکھا، اور دل برداشتہ ہو کر خود بھی زہریلا لڈو کھا کر خودکشی کر لی اور یوں اِس رومانوی داستان کے دو لازوال کردار ہمیشہ کے لیے امر ہو گئے۔ ہیر رانجھا پر ہند و پاک میں بننے والی فلموں اور ڈراموں کی کہانی کچھ تحریف و تبدیل کے ساتھ اِسی قصے کے گرد گھومتی ہے۔ ہیر رانجھا پر ماضی میں بہت کچھ لکھا گیا لیکن وارث شاہ کی 'ہیر وارث شاہ' نے اِس کہانی کو دوام بخشا۔ ایک مفروضہ یہ بھی ہے کہ ایسا کوئی واقعہ سرے سے ہوا ہی نہیں، بلکہ یہ قصہ وارث شاہ نے لوگوں کو عشقِ مجازی کے ذریعے عشقِ حقیقی سے آگاہی کے لیے خود سے گھڑا۔ قطع نظر اِس کے کہ اِس مفروضے میں کس قدر صداقت ہے ایک بات تو طے ہے کہ 'ہیر وارث شاہ' پنجابی ادب کا قیمتی اثاثہ ہے، جسے معروف و غیر معروف بہت سے گلوکاروں نے گایا۔ ہیر وارث شاہ عشقِ حقیقی و عشقِ مجازی کا حسین امتزاج ہے۔ ہیر وارث شاہ کی کافیاں شام کی محفلوں اور پنجاب کے ثقافتی میلوں میں پڑھ کر سنائی جاتیں اور گائی جاتی رہیں، جن کا تذکرہ آج بھی بڑے بوڑھوں کی دھندلی یادوں میں محفوظ ہے۔ لیکن یہ شاید آخری نسل ہے جو شام کی محفلوں کی زینت بننے والی اِن کافیوں کی گونج اپنے سینوں میں لیے راہی ملکِ عدم ہو رہی ہے۔ اب وہ محفلیں نہیں رہیں، وقت کے دھندلکوں میں وارث شاہ کی ہیر وارث شاہ دھندلاتی جا رہی ہے۔ ترجیحات بدل چکی ہیں، اب گلوکار ہیر وارث شاہ گانا نہیں چاہتے۔ ہیر وارث گانے والوں کو جدید گلوکاروں کی طرح ریٹنگ نہیں ملتی۔ یہ اسمارٹ دنیا ہے جہاں گلی گلی ہر ہفتے ہونے والا سچا پیار دو دن میں انجام کو پہنچ کر نئے محبوب کی تلاش میں ہوتا ہے۔ لیکن جب بھی رومانوی لوک داستانوں کا ذکر چھڑے گا، ہیر رانجھا کی پریم کتھا کے تذکرہ کے بغیر ادھورا رہے گا۔

❁❁❁

رازِ حقیقت

وقت غیر محسوس طور پر کتنی تیزی سے گزر جاتا ہے۔ ہر گزرتے دن میں ہونے والا واقعہ قصّہ پارینہ بن جاتا ہے۔ کتنی تیزی سے انسان بچپن اور جوانی کی حدود پھلانگ کر بڑھاپے کی دہلیز تک پہنچ جاتا ہے۔ کتنی تیزی سے زمانے کی صف لپیٹ دی جاتی ہے۔ نظام کہنہ مٹتے جاتے ہیں اور اُن کی جگہ نئے نظام لے لیتے ہیں کتنی نئی تہذیبیں پرانی تہذیبوں کو نگلتی جاتی ہیں۔ کتنے جوان رعنا شاداب چہرے امتدادِ زمانہ سے ڈھلنے لگتے ہیں اور پھر صفحہ ہستی سے معدوم ہوتے چلے جاتے ہیں ان کی جگہ نئے چہرے لے لیتے ہیں غرض فنا و تغیّر کا ہاتھ ہر شے کو نگلتا جاتا ہے۔ عالمی، قومی یا ذاتی سطح پر گزرنے والا ہر واقعہ درسِ عبرت دیتا چلا جاتا ہے۔ ہر رشتہ، ہر تعلق آہستہ آہستہ ساتھ چھوڑتا جاتا ہے اور اگر نہ بھی چھوڑے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ انسان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دارُالآخرۃ سدھار جاتا ہے۔ یہ تمام چیزیں انسان کو ایک غیر متبدل، باوفا، لازوال اور مقتدر ہستی کی طرف توجہ دلا رہی ہے جس کی خاطر وہ پیدا کیا گیا ہے جس سے ربط بڑھانے کی خاطر وہ پیدا کیا گیا ہے۔ یہ دنیا دار الابتلاء ہے قدم قدم پر انسان کے لئے طرح طرح کے مسائل جنم لیتے ہیں جن سے نکلنے کی سعی میں اور اچھے دنوں کے انتظار میں انسان اپنی تمام زندگی گزار دیتا ہے۔ سچی خوشی اور سچی خوشحالی انسان کو حاصل نہیں ہو سکتی جب تک اُسے یہ یقین اور اطمینان حاصل نہ ہو جائے کہ اُسکا ایک معین و مددگار اور زبردست قدرتیں اور طاقتیں رکھنے والا آقا ہے، مولا ہے۔ اُسے ہر دکھ اور تکلیف سے نجات دے سکتا ہے۔ آنِ واحد میں اُسے مشکلات و مصائب سے رہائی دلانے کی قدرت رکھتا ہے۔ دونوں جہاں میں اُس کا معین و مددگار ہے تو دولتِ اطمینانِ قلب سے وہ مالا مال ہو جاتا ہے۔ کسی بھی نقصان اور خسارے اور ڈر خوف سے آزاد ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی جہاں میں اُسکی زندگی جنت نشان بن جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود اس حقیقت کو اپنے ایک شعر میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

اس جہاں میں ہے وہ جنت میں ہی بے ریب و گماں
وہ جو اک پختہ توکّل سے ہے مہماں تیرا (درثمین صفحہ 43)

خدا تعالیٰ سے تعلق رکھنے والا جانتا ہے کہ اُس کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ مانگنے والوں کو عطا کرتا ہے، ٹوٹے بگڑے کاموں کو سنوارتا ہے، گھبراہٹوں میں امن دینے والا، درد والم کی سیاہ راتوں میں دلوں کو ڈھارس دینے والا، لاعلاج مریضوں کو شفا دینے والا۔ اُس کی درگاہ میں نہ نقصان کا ڈر، نہ خسارے کا خوف، ضرورتوں کے وقتوں میں حاجت مندوں کا حاجت روا، اُن راہوں سے رزق عطا کرنے والا ہے جن کے متعلق انسان سوچ بھی نہیں سکتا، تصور بھی نہیں کر سکتا، توکّل کرنے والوں کی عجیب کفالت کرنے والا، 70 ماؤں سے بڑھ کر محبت کرنے والا، اپنے عاجز نحیف و نزار کمزور بندوں کی دعائیں سننے والا، بڑی عظمتوں اور شان کے باوجود عاجز مخلوق پر رحم کرنے والا، اُس کی دوستی، بے وفائی سے منزّہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ اپنے ایک شعر میں فرماتے ہیں کہ

تو تو ایسا نہیں محبوب کوئی اور ہو نگے — وہ جو کہلاتے ہیں دل توڑ کے جانے والے
تو تو ہر بار سر راہ سے پلٹ آتا ہے — دل میں ہر سمت سے پل پل میرے آنے والے

سو ہمارا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس مقصد کے لئے پیدا فرمایا ہے یعنی اپنا عبد بننے کی خاطر اُس مقصد کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ہر آن اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے کہ کیا وہ اُس دلبر ازل کے حضور پیش کرنے کے لائق بھی ہے یا نہیں۔ (منقول)

❁❁❁

برطانیہ میں
بچوں کی ایسی بیماری کا مفت علاج

بے بی آرتھر صرف پانچ ماہ کا ہے۔ اسے یہ پتہ بھی نہیں کہ اس کے دائیں بازو میں جو دوائی ڈالی جا رہی ہے وہ دنیا کی سب سے مہنگی ادویات میں سے ایک ہے۔

اس میں تباہ کن پروگریسو ڈس آرڈر کی بیماری کی وجہ سے پٹھوں پر اس کا کنٹرول ختم ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن وہ ان پہلے مریضوں میں سے ایک ہے جن کا زولجینسما سے علاج برطانیہ کا ادارہ نیشنل ہیلتھ سروس (این ایچ ایس) برداشت کر رہا ہے۔ یہ ایک جین تھیراپی ہے جس پر 18 لاکھ پاؤنڈ تک خرچہ آتا ہے۔

ہر سال تقریباً 40 بچے سپائنل میسکولر ایٹروفی (ایس ایم اے) کی انتہائی شدید قسم کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ اگر ان کا علاج نہ کیا جائے تو وہ شاذ و نادر ہی دو سال سے زیادہ جی سکتے ہیں۔ این ایچ ایس نے اسے بنانے والی کمپنی سے ایک خفیہ رعایت حاصل کی ہے جس کا مطلب ہے کہ ہر سال زولجینسما سے اس بیماری میں مبتلا درجنوں بچوں کا علاج ہو سکے گا۔ یہ دوائی ادویات کی کمپنی نوارٹیس جین تھراپیز تیار کرتی ہے۔ جنوب مشرقی لندن سے تعلق رکھنے والے آرتھر کے لیے اپنے بازوؤں اور پیروں کو حرکت دینا بہت مشکل ہے اور وہ اپنا سر بھی نہیں اٹھا سکتا، لہٰذا کچھ مستقل نقصان پہلے سے ہی ہو چکا ہے۔

امید ہے کہ اس ایک مرتبہ کیے جانے والے علاج سے اس کی حالت کچھ مستحکم ہو گی اور مزید خرابی سے بچا جا سکے گا۔ اس کے والد ریس مورگن کہتے ہیں کہ یہاں تک پہنچنے میں بہت سے اتار چڑھاؤ آئے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ 'ہماری امید ہے کہ وہ اپنی حرکت کے حوالے سے بہترین زندگی گزار سکے۔ ہمیں نہیں پتہ، لیکن ہم اپنی بساط کے مطابق اپنی ہر ممکن کوشش کریں گے کہ اسے ہر وہ چیز دیں جس کی اسے ممکنہ ضرورت ہو۔'

زولجینسما کس طرح کام کرتی ہے؟

اس دوائی میں اس گمشدہ یا ناقص جین کی صحت مند کاپی موجود ہوتی ہے جسے ایس ایم این 1 کہتے ہیں۔ اسے ایک بے ضرر وائرس میں ڈالا جاتا ہے۔ جسم میں داخل ہو کر وائرس متبادل جین کو موٹر نیورون خلیوں کے نیوکلیئس میں پہنچا دیتا ہے خلیوں کو آہستہ آہستہ تباہ ہونے سے بچانے کے لیے یہ ضروری ہے۔ اب صحت مند موٹر نیورون خلیے اس ایس ایم این پروٹین کو تیار کرنا شروع کر دیتے ہیں جو پہلے موجود نہیں تھی اور جو پٹھوں کے کام کرنے کے لیے بہت ضروری ہے۔

'بہت اہم قدم'

ایویلینا لندن چلڈرن ہسپتال، جہاں آرتھر کا علاج ہو رہا ہے، ان چند ہسپتالوں میں سے ایک ہے جو زولجینسما دیں گے۔ اب پورے ملک میں این ایچ ایس کے چار سپیشلسٹ سینٹر قائم کیے گئے ہیں۔ دوسری جگہیں جہاں یہ سہولت ہے وہ مانچسٹر یونیورسٹی این ایچ ایس فاؤنڈیشن ٹرسٹ، شیفیلڈ چلڈرنز این ایچ ایس فاؤنڈیشن ٹرسٹ اور یونیورسٹی ہسپتال برسٹل اور ویسٹن این ایچ ایس فاؤنڈیشن ٹرسٹ ہیں۔ ایویلینا میں ماہر امراض اطفال ڈاکٹر الزبتھ وریج کہتی ہیں کہ یہ علاج ان بچوں کی قسمت بدل سکتا ہے۔ انھوں نے بی بی سی کو بتایا کہ 20 سال پہلے ایس ایم اے کے ساتھ پیدا ہونے والے بچے کی متوقع عمر بہت تھوڑی ہوتی تھی۔ 'اب ہمارے پاس یہ صلاحیت ہے کہ بچوں کو اس قابل بنا سکیں کہ وہ رول کر سکیں، بیٹھ سکیں اور یہاں تک کہ کھڑے ہو سکیں، یہ ایس ایم اے کے علاج کے بغیر ناممکن ہوتا۔' این ایچ ایس انگلینڈ کے چیف ایگزیکٹیو سر سائمن سٹیونز کہتے ہیں کہ یہ ایک 'زبردست خبر ہے کہ یہ انقلابی دوا اب این ایچ ایس پر آرتھر جیسے بے بیز اور بچوں کے لیے بھی دستیاب ہے۔' انھوں نے مزید کہا کہ زولجینسما ہیلتھ سروس کے زیرِ استعمال ان 'زندگی بدلنے والی تھیراپیز' میں شامل ہے جسے 'معمول کے مطابق' استعمال کیا جا رہا ہے۔

برطانیہ میں نوارٹیس جین تھراپیز کی جنرل منیجر سیلی۔ این سیگار ڈیس اسے 'انگلینڈ میں بچوں کے لیے ایک انتہائی اہم اقدام' قرار دیتی ہیں۔

وہ کہتی ہیں کہ 'ہم ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں جو اس تاریخی معاہدے میں شامل رہے ہیں جس نے ایسا ممکن بنایا ہے۔'

اس کی زیادہ قیمت کے باوجود نائس اور سکاٹش میڈیسنز کنسورشیم دونوں نے یہ سفارش کی تھی کہ این ایچ ایس اس علاج کو فنڈ کرے۔ ٹرائلز یا تجربوں سے سامنے آیا ہے کہ اس کے دیرپا فوائد ہیں، جو کم از کم پانچ سال تک تو رہتے ہیں، اور شاید مستقل بھی ثابت ہوں۔ ایس ایم اے کے لیے صرف ایک اور مہنگا علاج جو کرانا پڑتا ہے وہ ریڑھ کی ہڈی میں انفیوژن ہے جو سال میں کم از کم تین بار کرنے کی ضرورت ہے۔

'اس نے اس کی جان بچائی ہے'

جنوب مغربی لندن کی تورا میں پہلی مرتبہ علامات اس وقت نظر آئیں جب وہ تین ماہ کی تھیں اور انھیں اپنے پیٹ پر لیٹے ہوئے سر اٹھانے کے لیے بہت جدوجہد کرنی پڑتی تھی۔ جب امریکہ میں زولجینسما کے ساتھ علاج شروع کیا گیا تو وہ اس وقت 10 ماہ کی تھیں۔ ان کی ماں تیسیر اوسوا کہتی ہیں کہ وہ فلاپی تھیں یا ان کا ہاتھ پاؤں پر قابو نہیں تھا اور وہ نقل و حرکت نہیں کر سکتی تھیں۔

وہ کہتی ہیں کہ 'وہ بنیادی چیزیں نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ اس کھلونے تک بھی نہیں پہنچ سکتی تھیں جو صرف پانچ سینٹی میٹر دور ہوتا تھا۔ ہم انھیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ یہاں تک کہ صوفے پر بھی نہیں، جہاں ان کے چاروں طرف کشن اور تکیے رکھے ہوتے تھے کیونکہ

ہر چیز بہت خطرناک تھی۔ ہم ایک سیکنڈ کے لیے بھی آرام نہیں کر سکتے تھے اور وہ اپنی زندگی سے لطف اندوز نہیں ہو سکتی تھیں۔'

اب دو سال اور آٹھ ماہ کی تورا ایک متجسس چھوٹی بچی ہیں جو تین زبانیں بولتی ہے اور اپنے والدین کی مدد سے تھوڑا بہت چل بھی سکتی ہیں۔ تیسیہ کہتی ہیں کہ 'اگر وہ صرف صوفے پر بیٹھی ہوں تو آپ کو یہ محسوس بھی نہیں ہوگا کہ (ان کے ساتھ) کچھ ایسا ہے جو ٹھیک نہیں ہے۔' 'اس نے ان کی زندگی بچائی، اور بنیادی طور پر اب ان کے پاس موقع ہے کہ اپنی زندگی سے لطف اندوز ہوں اور وہ چیزیں کریں جو ہر بچے کے لیے بنیادی اور آسان ہیں لیکن ان کے لیے یہ بالکل ناممکن تھیں۔ کھیل کے میدان میں جانا، سوئمنگ کرنا، یا کسی کتاب کو تھامنا اور پڑھنا۔' تورا کے والد راجد یپ سنگیری کہتے ہیں کہ خاندان اب مثبت محسوس کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے ہم ڈرتے تھے کہ اگلا دن کیا لائے گا۔ ہمیں ہمیشہ خوف تھا کہ وہ کچھ چیزیں بھول جائیں گی، ان کے نگلنے کی، سانس لینے کی صلاحیت خراب ہو جائے گی۔ اب ہم اس امید سے انتظار کرتے ہیں کہ کل کچھ اچھا لائے گا۔'

ایس ایم اے کتنا عام ہے؟

تقریباً 50 میں سے ایک انسان میں ایس ایم اے کی خراب جین ہوتی ہے اور یہ بیماری تقریباً ہر 10،000 پیدا ہونے والے بچوں میں سے ایک کو متاثر کرتی ہے۔ یہ بچپن میں موت کی سب سے عام جینیاتی وجہ ہے۔

ایس ایم اے ایک ایسی حالت ہے جہاں بچے کی پیدائش کے وقت سے ہی گھڑی کی ٹک ٹک شروع ہو جاتی ہے یعنی اس کی موت کا خطرہ رہتا ہے۔ اور ہر وہ ہفتہ جو بغیر علاج کے گزرتا ہے اس میں نروفائبرز یعنی اعصاب کے ریشوں کو مزید نقصان پہنچانے کا خطرہ رہتا ہے، جو بچے کے چل سکنے، بھاگ سکنے اور بغیر مدد کے بیٹھ سکنے پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ اس کا عام طور پر اس وقت پتہ چلتا ہے جب بچے تقریباً تین ماہ کے ہو جاتے ہیں اور وہ معمول کے سنگِ میل پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں جیسے ٹانگیں مارنا یا اپنا سر پکڑنا۔ لیکن اس وقت تک موٹر نیورون سیلز کو مستقل نقصان پہنچ چکا ہوتا ہے۔ جن خاندانوں میں پہلے ہی کوئی متاثرہ بچہ ہوتا ہے انھیں پیرینٹل سکریننگ کی سہولت کی پیشکش کی جاتی ہے۔ اس سے چھوٹے بچوں کو پیدائش کے کچھ دنوں بعد ہی زولجنسیما دی جاتی ہے، علامات شروع ہونے سے بہت پہلے۔ اس کا مطلب ہے کہ ان کے مسلز یا پٹھوں کی نشوونما نارمل ہوتی ہے اور انھیں حرکت کرنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔

❁❁❁

تماشا دیکھتے ہیں بے بسی کا

فہمیدہ مسرت احمد

تماشا دیکھتے ہیں بے بسی کا
یہی انداز ہے کیا دلبری کا
کسی کی یاد نے کھڑکی سے جھانکا
عجب عالم ہے دل کی بے کلی کا
دو سوکھے پھول کچھ نامے پرانے
یہی حاصل ہے اپنی زندگی کا
سرِ مژگان اُترے ہیں ستارے
نہ پوچھو راز میری دلکشی کا
صنم کیسا کہاں کی عاشقی اب
محبت نام ہے دیوانگی کا
ارے کیسا گلہ کیسی شکایت
بہانہ ڈھونڈتے ہیں دُشمنی کا
سبق ہم کو سکھایا وقت نے یہ
نہیں دنیا میں کوئی بھی کسی کا

❁❁❁

غزل

بشریٰ سحر (کولکاتا)

رات کٹ جائے گی سرکار یقیں ہے ہم کو
پھر سحر ہوگی نمودار یقیں ہے ہم کو
دل میں نفرت کی جو دیوار اٹھا اس نے
ہم گرا دیں گے وہ دیوار یقیں ہے ہم کو
رنج مٹ جائیں گے خوشیوں کا سماں لوٹے گا
پھر زمیں ہوگی یہ گلزار یقیں ہے ہم کو
پھول کھل جائیں گے گلشن میں بہار آئے گی
پیار کا کیجئے اقرار یقیں ہے ہم کو
مدتوں دیکھا نہیں ترا روئے روشن
ہوگا اک دن ترا دیدار یقیں ہے ہم کو
انقلاب آئے گا مظلوم کی آہوں سے ضرور
ظلم کی ٹوٹے گی تلوار یقیں ہے ہم کو
ہم کو ناکام نہ کر پائے گا کوئی بھی 'سحر'
رب ہمارا ہے مددگار یقیں ہے ہم کو

❁❁❁

موجودہ کرونائی حالات پر نظم

حمیرا نگہت

گھروں میں بھوک اور باہر وبا ہے
یہ کیسا اک عذاب اترا ہوا ہے
پڑی ہے ٹوٹ کر آفت یہ کیسی
زمانہ خوف سے سہما ہوا ہے
کہیں پر آکسیجن کی کمی ہے
ہوا کا کال جیسے پڑ گیا ہے
مریضوں کے لئے بستر بھی کم ہیں
نہ ہی تدفین کی کوئی جگہ ہے
ترا میرا نہیں یہ دکھ ہے سانجھا
یہ تو اقوامِ کل کا مسئلہ ہے
بڑھا کر حوصلہ اک دوسرے کا
ہمیں یہ وقت مشکل کاٹنا ہے
اٹھا کر ہاتھ سب مانگو دعائیں
دعا ہی اب تو بس رِدِّ بلا ہے
منالیں آؤ مل کے اپنے ربّ کو
جو شاید ہم سے اب روٹھا ہوا ہے

❁❁❁

گھنجل

تحریر: بامی انگلینڈ

کسی قوم کی پہچان اس کی تہذیب وتمدن اس کی بود وباش، پیرہن، ادب وآداب، روایات، لباس، تمدن اور زندگی گزارنے کے لائحہ عمل ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس پر مذہب کے بھی گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں...

یہ خیال آتے ہی میں اپنے ماضی حال کے تانے بانے میں الجھی... سوچ کی گھنجلوں میں الجھ کر رہ گئی ہوں۔ پرانی کتاب کے بوسیدہ اوراق کی طرح ہماری تہذیب وتمدن کے اوراق پر لکھی تحریر بھی دھندلی اور کہیں دھجیوں پر لکھی معلوم دکھائی دی...

اپنے خود ساختہ احساس کمتری میں مبتلا قومیں دوسری ترقی یافتہ قوموں کی نقالی کرتے کرتے اور ترقی کرنے کے خیالی پلاؤ پکاتے پکاتے اس کے رنگ میں رنگ جاتی ہیں اس کی مثال یوں سمجھیں کہ "کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا"

ہماری پاکستانی مسلمان قوم کا کچھ یہی حال اور چال ہے اور اس میں حوا کی بیٹی کے قدم تو اپنی آخری حدود کو پار کر گئے ہیں۔

تہذیب کی کتاب کو ورق ورق بکھرتی ہوا میں اڑاتی یا پاؤں تلے روندتی ماضی کی باپردہ، باحیا، باکردار ادب وآداب کی جیتی جاگتی تصاویر سے آنکھیں چراتی مغربی تہذیب کی دلدادہ نئی نسل نے اپنے پُرکھوں کی روایات کو پسِ پُشت رکھ کر اپنے آپ کو گہری کھائیوں میں دھکیل دیا ہے۔

تعلیم یافتہ ہیں مگر سلجھے ذہن اب ماورائی شخصیت بن گئے ... توبۃ النصوح کی اکبری، اصغری اب ڈولی اور پنکی بن کر اتراتی بل کھاتی اونچی ایڑی پہنے اپنا مصنوعی قد بڑھا کر نقلی فخر و غرور سے گردن اکڑائے سڑک پر ٹک ٹک کرتی سرِعام اپنے بدن کے نشیب و فراز کی تشہیر کرتی اشتہار بنی غلیظ نظروں کا گند سمیٹ کر اپنے تئیں ماڈرن کہلانے کا تاج اپنے سر پر سجاتی دوپٹہ اور چادر کو خدا حافظ کہہ کر اپنے ننگے سر کو غیر قوموں کی تقلید کے آگے خم کرتی نظر آتی ہے۔

پاکیزہ حسن کا مرقع اگر کوئی خوش قسمتی سے پرانے اقدار پر عمل کرتی ہے تو اسکو بوڑھی رُوح یا گنوار کا لقب دے دیا جاتا ہے ... اور آزادئ نسواں کا نعرہ لگانے والی سڑکوں پر بے ہنگم لباس میں ہنگامہ آرائی کرتی حوا کی بیٹیاں اپنی عزت و وقار کو سرِعام نیلام کر کے نئی تہذیب کا تمغہ سجائے مغربی تہذیب کا علم اٹھائے سرپٹ دوڑ رہی ہے... پیچھے مڑ کر دیکھنا تو درکنار سوچتی بھی نہیں کہ اس تہذیب کی کتاب کا ورق ورق ہوا کے دوش پر پرزہ پرزہ ہوجائیگا... اور اس کا پاکیزہ حسن اور وجود انہی اوراق کے ڈھیر میں دفن ہوجائیگا۔

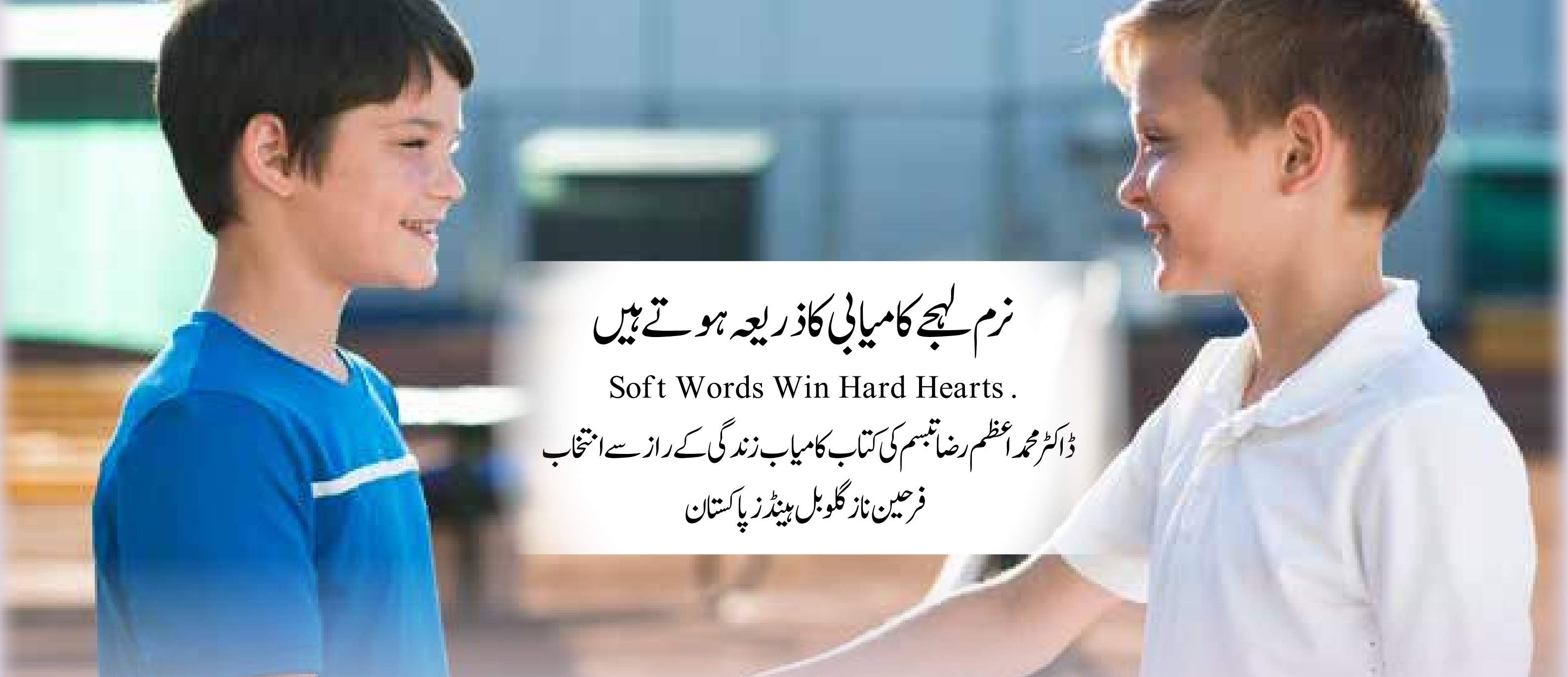

نرم لہجے کامیابی کا ذریعہ ہوتے ہیں

Soft Words Win Hard Hearts .

ڈاکٹر محمد اعظم رضا تبسم کی کتاب کامیاب زندگی کے راز سے انتخاب

فرحین ناز گلوبل ہینڈز پاکستان

پرانے وقتوں کے ایک نامور درویش جنہیں دنیا بہلول دانا کے نام سے جانتی ہے ایک مرتبہ کسی نخلستان میں تشریف فرما تھے کہ وہاں سے ایک معروف تاجر کا گزر ہوا۔ آپ کا نام توسن ہی رکھا تھا چنانچہ وہ شرف ملاقات کے لیے آپ کے پاس آیا اور سلام کر کے نہایت ادب کے ساتھ آپ کے پاس بیٹھ کر عرض کرنے لگا حضور! تجارت کا کون سا ایسا سامان خریدوں جس میں بہت نفع ہو۔ بہلول دانا نے فرمایا.. ''کالا کپڑا لے لو.. '' تاجر شکریہ ادا کر کے وہاں سے چل دیا اور جا کر اس نے علاقے میں دستیاب تمام سیاہ کپڑا خرید لیا۔ کچھ دنوں بعد شہر کا بہت بڑا آدمی انتقال کر گیا۔ ماتمی لباس کے لئے سارا شہر سیاہ کپڑے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا.. اب کپڑا سارا اس تاجر کے پاس ذخیرہ تھا.. اس نے منہ مانگے داموں فروخت کیا اور اتنا نفع کمایا جتنا ساری زندگی نہ کمایا تھا اور بہت ھی امیر کبیر ھو گیا۔ کچھ عرصے بعد وہ گھوڑے پر سوار کہیں سے گزر رہا تھا۔ اس وقت اسی راہ کے قریب بہلول دانا بھی تشریف فرما تھے۔ اس نے آپ کو دیکھا اور گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے بلند آواز میں آپ کو مخاطب کیا'' او دیوانے! اب کی بار کیا لوں؟''

بہلول نے فرمایا.. ''تربوز لے لو.. '' وہ بھاگا بھاگا گیا اور ساری دولت سے پورے ملک سے تربوز خرید لئے.. ایک ھی ہفتے میں سب خراب ھو گئے اور وہ کوڑی کوڑی کو محتاج ھو گیا۔ اسی خستہ حالی میں گھومتے پھرتے اس کی ملاقات دوبارہ بہلول دانا سے ہو گئی تو اس نے کہا.. ''یہ آپ نے میرے ساتھ کیا کِیا..؟'' اس وقت بہلول دانا نے فرمایا.. ''میں نے نہیں' تمھارے لہجے اور تیرے الفاظ نے سب کیا۔ تاجر کہنے لگا جناب میں یہ بات سمجھا نہیں۔ بہلول نے اسے سمجھاتے ہوئے فرمایا کہ جب تم نے مجھ سے پہلی بار سوال کیا تو اس وقت تم اپنے لہجے اور عمل سے سراپا ادب تھے تمہارے لہجے میں عجز و انکساری اور ادب شامل تھا تو تم نے اس کی جزا پائی پھر جب دوسری مرتبہ گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر سوال کیا اس وقت تمھارے لہجے میں تکبر اور عمل میں سراپا غرور تھا۔ بس انہی دو لہجوں کا عروج و زوال تم نے کمایا۔ جی ہاں یہ گوشت کا ٹکڑا جسے ہم زبان کہتے ہیں یہ قینچی کی طرح چلنے لگے تو انسان کو برباد کر دیتی ہے انسان کی ترقی کے تمام تانے بانے کاٹ کر رکھ دیتی ہے اور اگر یہ سوئی کی طرح کام کرے تو ترقی کی راہ کو جوڑتی ہے دل جیتنے تعلقات سینے اور بنانے کا کام کرتی ہے۔ الفاظ کا چناؤ بھی اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے مگر لہجے اپنی تاثیر سے انسان کی شخصیت بناتے بھی ہیں۔ لہجہ انسان کی شخصیت کو معراج بھی عطا کرتا ہے اور یہ لہجہ ہی ہے جو انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتا۔ انسان اپنی گفتگو میں نرم و شیریں لہجہ اختیار کرے۔ یہ طریقہ دل کی سختی کو دور کرتا ہے۔ یاد رکھیں۔ نرم لہجہ ضمیر جگاتا ہے اور سخت لہجہ انا جگاتا ہے۔ خاص کر جب آپ کا مقصد نصیحت کرنا ہو تو نرم لہجہ اختیار کرنا چاہیے انسان کی گفتگو اس کے کردار کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ جب کہ گفتگو کا آئینہ اس میں موجود لب و لہجہ ہوتا ہے۔ معیاری الفاظ، سلیقہ مند اور شیریں گفتگو ہی انسانی کردار کے اعلیٰ معیار کی عکاسی کرتا ہے۔ بعض مرتبہ انسان اپنی گفتگو کی وجہ سے ہی بے عزت ہوتا ہے۔ انسان حق پر ہونے کے باوجود اپنے لہجے کی وجہ سے ناحق بھی تصور کیا جا سکتا ہے حق سچ بیان کرنے کے لیے ترش لہجہ ضروری نہیں۔ انسان کو سچ خوبصورت انداز میں بولنا چاہیے تا کہ سچ کی حلاوت لوگوں کے کانوں کو مانوس کرے اور دلوں کو گرویدا کرے مگر عموماً بے دھیانی اور غصے کی وجہ سے سچ کڑک اور بھرپور غصے نیز بے جا بلند چیخ و پکار کے ساتھ بولا جا رہا ہوتا ہے ساتھ یہ دلیل دی جا رہی ہوتی ہے کہ سچ کڑوا ہوتا ہے۔ ارے یہ تو درست ہے کہ سچ کڑوا ہوتا ہے مگر اس کا لہجہ کڑوا نہیں ہونا چاہیے اور عموماً منافق لوگ ایسے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں وہ جھوٹ نرمی اور میٹھے لہجے سے بولتے ہیں۔ سلیقۂ گفتگو ضروری ہے اور بے حد معنی بھی رکھتی ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان اپنی دلی کیفیات کا اظہار کرتا ہے۔ گفتگو ایک فن ہے جس سے انسان یا تو دل میں اترتا ہے یا پھر دل سے اتر جاتا ہے۔ گفتگو ہی سامنے والے کے عیب و ہنر کردار اور خاندان کا پتہ دیتا ہے۔ نرم لہجے میں بات کرنا اجنبی افراد کو بھی قریب کر دیتا ہے۔ تلخ لہجے میں یا ناگوار لہجے میں بات کرنا غلط فہمی کو جنم دینے اور قطع تعلقی کا سبب بنتا ہے۔ من جملہ یہ کہ لہجے انسان کی ترقی و تنزلی یعنی کامیابی اور ناکامی کے بنیادی سبب بنتے ہیں۔

معلوماتِ طبی

فائبر صحت بخش غذا

تحریر: رفعت امان اللہ

اگر ہم آپ کو ایسی معجزاتی خوراک کے بارے میں بتائیں جسے کھانے کے بعد آپ کی عمر دراز ہو جائے گی تو کیا آپ اس میں دلچسپی ظاہر کریں گے؟ یہ قدرتی طور پر دل کے دورے، فالج اور ذیابیطس جیسی بیماریوں کے خطرے کو بھی کم کر دیتی ہے اور یہ آپ کے وزن، بلڈ پریشر اور کولیسٹرول لیول کو بھی قابو میں رکھتی ہے۔ یہ بھی بتا دیں کہ یہ سستی اور بازار میں عام میں دستیاب ہے۔ آخر یہ کیا ہے؟ یہ فائبر ہے، ایک تحقیق میں اس بات کا جائزہ لیا گیا ہے کہ ہمیں کتنا فائبر کھانا چاہیے اور یہ ہماری صحت کے لیے کیسے مفید ہے۔ محققین میں سے ایک پروفیسر جان کمنگ نے بی بی سی کو بتایا کہ 'بہت ٹھوس ثبوت ہیں۔ اس سے سب تبدیل ہو جائے گا۔ لوگوں کو اس حوالے سے کچھ کرنا پڑے گا۔ فائبر یا سیلولوز پر مشتمل خوراک قبض کا جانا مانا علاج ہے اس کے صحت کے فوائد اور بھی زیادہ ہیں۔ ہمیں کتنا فائبر چاہئے؟ نیوزی لینڈ کی اوٹاگو یونیورسٹی اور یونیورسٹی آف ڈنڈی کے محققین یہ کہتے ہیں کہ لوگوں کی خوراک میں کم از کم روزانہ 25 گرام فائبر شامل ہونا چاہئے۔ ان کے نزدیک صحت بہتر کرنے کے لیے یہ مقدار 'مناسب' ہے جبکہ 30 گرام سے تجاوز کرنے کے اپنے فوائد ہیں۔ بس اتنا ہی فائدہ ہے؟ ایک کیلے کا کل وزن 120 گرام ہوتا ہے مگر یہ خالص فائبر نہیں ہوتا۔ اس میں سے قدرتی چینی اور پانی سمیت سب نکال دیا جائے تو تین گرام فائبر رہ جاتا ہے۔ دنیا کے بیشتر لوگ روزانہ 20 گرام سے کم فائبر کھاتے ہیں۔ اوسطاً ہر روز خواتین 17 گرام جبکہ مرد 21 گرام فائبر کھاتے ہیں۔

کن چیزوں میں فائبر زیادہ ہوتا ہے؟ آپ کو یہ پھلوں، سبزیوں، ناشتے میں استعمال ہونے والے سیریلز، بریڈ، چھلکے دار اناج سے بنے پاستا، دالوں، چنوں، میوہ جات اور بیجوں میں ملے گا۔ 30 گرام فائبر کتنا ہوتا ہے؟ ایلین رش، آک لینڈ یونیورسٹی آف ٹیکنالوجی کی پروفیسر ہیں۔ انھوں نے 25-30 گرام فائبر کی حد تک پہنچنے کا طریقہ بتایا ہے۔ آدھا کپ جو - 9 گرام فائبر۔ دو ویٹا بکس - 3 گرام فائبر۔ براؤن بریڈ کا بڑا سلائس - 2 گرام فائبر۔ ایک کپ پکی ہوئی دال - 4 گرام فائبر۔ چھلکے کے ساتھ پکا ہوا آلو - 2 گرام فائبر۔ آدھا کپ سفید چقندر - 1 گرام فائبر۔ ایک گاجر - 3 گرام فائبر۔ چھلکے کے ساتھ سیب 4- گرام فائبر

تاہم وہ کہتی ہیں: 'فائبر کو بڑھانا آسان نہیں'۔ پروفیسر کمنگ بھی اس بات سے متفق ہیں۔ وہ کہتے ہیں: 'یہ کافی بڑی تبدیلی ہے۔ یہ کافی بڑا چیلنج ہوگا'۔ یہ کچھ چند آسان تراکیب ہیں۔ چھلکے کے ساتھ آلو پکانا سفید بریڈ، پاستا اور چاولوں کو ان کی چھلکے کے ساتھ والی قسم کے ساتھ تبدیل کر لیں۔ چنے اور دالوں کا سالن بنا کر یا سلاد میں ڈال کر کھائیں۔ بے وقت بھوک کے لیے میوہ جات اور تازہ پھل۔ دن میں پانچ پھل اور سبزیاں کھائیں۔ اس کا فائدہ کیا ہوگا؟ متعدد تحقیقات کا جائزہ لینے کے بعد اس کے نتائج طبی جریدے لینسٹ میں شائع کیے گئے۔ ان کے مطابق اگر ایک ہزار افراد جو کہ پہلے کم فائبر والی خوراک (15 گرام سے کم) کھاتے تھے ان کو زیادہ فائبر والی خوراک (25 سے 29 گرام) پر منتقل کرنے سے 13 امراض اور دل کے امراض کے چھ معاملات سے بچا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ زیادہ فائبر والی غذا کے استعمال سے ٹائپ ٹو ذیابیطس اور پیٹ کے کینسر کے امکانات بھی کم ہو جاتے ہیں جبکہ وزن کم کرنے، بلڈ پریشر پر قابو پانے اور کولیسٹرول کی سطح بہتر بنانے میں مدد ملتی ہے۔ تحقیق کے مطابق جتنا زیادہ فائبر کھایا جائے اتنا مفید ہوتا ہے۔

فائبر جسم پہ کیا اثر چھوڑتا ہے؟

پہلے یہ خیال کیا جاتا تھا کہ فائبر کچھ زیادہ نہیں کرتا۔ انسانی جسم اسے ہضم نہیں کر سکتا اور یہ بس آنتوں سے گزر جاتا ہے۔ لیکن فائبر سے ہمیں پیٹ بھرا ہوا محسوس ہوتا ہے یعنی بھوک نہیں لگتی اور یہ چھوٹی آنت میں چربی جذب ہونے کے طریقے کو بھی متاثر کرتا ہے اور جب بڑی آنت میں جا کر جراثیم کی باری آتی ہے تو یہ عمل اور دلچسپ ہو جاتا ہے۔ بڑی آنت میں اربوں کے حساب سے بیکٹیریا موجود ہوتے ہیں اور فائبر ان کی غذا ہے۔ جراثیم فائبر کو استعمال کرتے ہوئے مختلف کیمیکل بناتے ہیں۔ اس میں چھوٹے مالیکیول والے فیٹی ایسڈ ہوتے ہیں اور یہ عمل پورے جسم پر اثر کرتا ہے۔ پروفیسر کمنگ کہتے ہیں: 'یہ جسمانی عضو فائبر ہضم کرنے کے لیے ہے جو بیشتر افراد استعمال ہی نہیں کرتے۔'

'لوگ فائبر کو چھوڑ رہے ہیں'

یہ حقیقت حیران کن نہیں کہ فائبر اور چھلکے والے اناج، پھل اور سبزیاں صحت کے لیے اچھے ہیں۔ لیکن یہ بات تشویش ناک ہے کہ کم نشاستہ والی خوراک کی مقبولیت کی وجہ سے لوگ فائبر کو چھوڑ رہے ہیں۔ کیمبرج یونیورسٹی کی پروفیسر نیتا فوروہی کہتی ہیں: 'ہمیں اس تحقیق کو سنجیدگی سے دیکھنا چاہئے'۔ اس تحقیق کے نتائج سے ہم یہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اگرچہ غذائی طریقے جن کی بنیاد کم نشاستے والی خوراک ہیں معاشرے میں مقبول ہو رہی ہے، 'یہ تحقیق اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ فائبر اور چھلکے والا اناج لمبی زندگی کے لیے یقیناً ضروری ہے۔' یہ تحقیق ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کی مدد کے لیے بنائی گئی ہے جس کی معاونت کے ساتھ وہ اگلے سال تک فائبر کھانے اور اس کی مدد سے بہتر صحت پانے کے متعلق ضروری ہدایات جاری کرے گی۔

❁❁❁

گڑ: جنوبی ایشیا کا مقبول میٹھا بھی اور علاج بھی

تحریر: عائشہ امتیاز

میری امی جنوبی ایشیا کی بڑی بوڑھیوں کے دیسی نسخوں پر پکا یقین رکھتی ہیں اور ان کے خیال میں چند ہی ایسے امراض ہیں جن کا علاج وہ غذا سے نہیں کر سکتیں۔ ان کے دیسی نسخوں کی پٹاری میں ایک چیز سب سے نمایاں ہے اور ان کے تیار کردہ خاص قسم کے معجونوں اور کسیلے جوشاندوں میں سے یہ ہی ایک چیز ہے جسے آسانی سے نِگلا جا سکتا ہے۔

پہلی بار میں نے اپنی ماں کے کہنے پر گڑ اس وقت چکھا تھا جب مجھے خیبر پختونخوا میں شدید زکام ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ یہ بظاہر میلی اور بدنما سی ڈلی کیسے صحت بخش ہو سکتی ہے مگر جیسے ہی اس کی مٹھاس میرے حلق سے اتری تو میں نے خود میں توانائی اور گرمی محسوس کی۔

اس کے بعد جلد ہی مجھے پتا چل گیا کہ یہ چیز دیسی ادویاتی غذا اور خوش ذائقہ مٹھائی سے کہیں بڑھ کر ہے۔ دراصل یہ تو صدیوں پرانی ایک روایت کا نچوڑ تھا۔

پاکستان میں تو گڑ گنے کے تازہ رس کو اچھی طرح پکا کر حاصل کیا جاتا ہے لیکن بہت سے دوسرے خطوں میں یہ پام، کھوپرے کے پانی اور کھجور کے رس سے بھی تیار کیا جاتا ہے۔

پہلے تو رس کو کڑھاؤ میں اچھی طرح پکا کر گاڑھا کیا جاتا ہے پھر اس کے بعد اس کی ڈلیاں بنائی جاتی ہیں۔ اسے کولمبیا اور جزائر غرب الہند میں پنیلا، جاپان میں ککوٹو اور برازیل میں راپاڈورا کہا جاتا ہے۔

اقوام متحدہ کے ادارہ برائے خوراک و زراعت کے مطابق گنے کے اس طرح جمائے ہوئے رس میں موجود خواص مثلاً گلوکوز، فرکٹوز اور دوسرے معدنیاتی نمک ضائع نہیں ہوتے جیسا کہ چینی بنانے کے پیچیدہ عمل میں ہوتا ہے۔

چینی بنانے کے لیے نتھارنے کا جو عمل کیا جاتا ہے اس سے 'کثافتیں' تو دور ہو جاتی ہیں مگر اس سے باریک غذائی اجزاء بھی زائل ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس گڑ بنانے کے عمل میں ایسا نہیں ہوتا اور اس کی تمام غذائیت اور کیلشیم اور میگنیشیم جیسے صحت افزا اجزا قائم رہتے ہیں۔

ہمدرد یونیورسٹی کراچی میں ریسرچ اینڈ ڈویلپمنٹ کے سربراہ ڈاکٹر حکیم عبدالحنان کہتے ہیں کہ 'گڑ بنانے کی شروعات کا مقصد گنے کی فصل کو محفوظ رکھنا بھی ہو سکتا ہے تاکہ قدیم انسان اپنے لیے سال بھر مٹھاس بہم پہنچاتا رہے۔'

خیال کیا جاتا ہے کہ برِ صغیر میں گنّا چھ ہزار سال قبلِ مسیح میں برما اور جزیرہ نما ملاوی سے آیا تھا۔

ایگریکلچر آف دا شوگر کین کے مصنف اے سی بارنس لکھتے ہیں کہ 'یہ توانائی کا سب سے سستا ذریعہ ہے جو زمین کے چھوٹے سے ٹکڑے پر کاشت کیا جا سکتا ہے۔'

انڈیا میں گنے کی سینکڑوں اقسام پیدا ہوتی ہیں جن سے دنیا کا 70 فیصد گڑ بنتا ہے۔ پاکستان اور بنگلہ دیش میں بھی اسے وسیع پیمانے پر کاشت کیا جاتا ہے۔

غذائی محقق ہیرولڈ میکگی اپنی کتاب 'آن فوڈ اینڈ کُکنگ: دا سائنس اینڈ لور آف دا کیچن' میں لکھتے ہیں کہ 'اس کی مخصوص مہک انڈین، تھائی، برمی، جنوبی ایشیائی اور افریقی پکوانوں کو الگ پہچان دیتی ہے۔'

پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں گڑ کے دانوں اور ڈلوں سے بھری بوریاں بڑے بازاروں میں دستیاب ہوتی ہیں۔ گھروں میں گڑ مخصوص پکوانوں یا علاج کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

بہت سے مسافر گڑ کا حلوا ساتھ رکھتے ہیں۔ اس میں تِل، مونگ پھلی اور دوسرے خشک میوے ملا کر اس کے لڈو بھی بنائے جاتے ہیں۔

پاکستان کے سرد علاقوں میں گڑ کی چائے بھی بڑے شوق سے پی جاتی ہے، خاص طور سے شاہراہوں پر ٹرک ڈرائیوروں کے لیے بنے تھڑوں پر۔

دیہی علاقوں میں تو بچوں کو ٹافی کی جگہ بھی دیا جاتا ہے۔ ضیا تبارک 'سٹریٹ فوڈ پی کے' نامی یوٹیوب چینل چلاتے ہیں۔

ان کا کہنا ہے 'مجھے یاد ہے بچپن میں ہم کتنی بے چینی سے اس ریڑھی والے کا انتظار کرتے تھے جو تِل کے لڈو اور مونگ پھلی والی چِکی (دونوں گڑ کے شیرے میں بنائے جاتے ہیں) لے کر آیا کرتا تھا۔'

تبارک نے دہائیوں بعد خیبر پختونخوا کے علاقے چارسدہ میں گڑ کی گھریلو صنعت کے بارے میں اپنے چینل کے لیے پروگرام کیا۔

یہاں کے کاریگر نہایت سادہ طریقے سے گڑ بناتے ہیں اور گنے کے رس کو پکانے کے لیے آگ بھی گنے کے گودے سے جلائی جاتی ہے۔ اس طرح اس فصل کا کوئی حصہ بھی ضائع

نہیں ہوتا۔
تبارک کو گڑ بنانے کے اس عمل سے جذباتی لگاؤ پیدا ہو گیا: 'بالآخر اس قدرتی لولی پاپ کو بنتے دیکھ کر مجھے یہ پریوں کی داستان سی لگی۔'
پاکستان میں گڑ کے کئی مصرف ہیں۔خواتین اسے حیض سے قبل اٹھنے والے درد میں آرام کے لیے یا بچے کی پیدائش کا عمل تیز کرنے کے لیے استعمال کرتی ہیں،والدین فولاد کی کمی کو پورا کرنے کے لیے بچوں کو کھلاتے ہیں۔بڑے بوڑھے کھانے کے بعد ہاضمہ بہتر کرنے اور جوڑوں کے درد میں آرام کے لیے گڑ کی ایک ڈلی چباتے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کرنے کو کہتے ہیں۔
علاج کی غرض سے گڑ کا استعمال ہزاروں برس سے ہوتا آیا ہے۔خیال ہے کہ گڑ اگر تین سال یا اس سے پرانا ہو تو اس میں زیادہ ادویاتی اثر ہوتا ہے۔علاج اور جراحی سے متعلق بعض قدیم کتب میں پرانے گڑ کے فوائد کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ خون صاف کرتا ہے،صفرا (پتے کی رطوبت) سے پیدا ہونے والے بدنی نقائص کو دور کرتا ہے اور جوڑوں کا درد رفع کرتا ہے۔
ایران کے قدیم طریقہ علاج میں بھی گڑ کے کئی خواص بیان کیے گئے ہیں جس کے مطابق انسان کے چار مختلف مزاجوں (صفرا، دم، سودا، بلغم) پر اثر انداز ہوتا ہے۔خیال کیا جاتا ہے کہ گڑ خون کی افزائش کرتا ہے۔آیورویدہ طریقہ علاج میں بھی گڑ کی اہمیت بیان کی گئی ہے جس کے مطابق یہ انسانی جسم کی تین توانائیوں میں سے ایک وتا دوشا میں توازن پیدا کر کے شفایابی کے عمل میں تیزی لاتا ہے۔اس کے علاوہ یہ ذائقہ قابل برداشت بنانے کے لیے دوسری دواؤں میں بھی ملایا جاتا ہے۔کراچی میں ہومیو پیتھک ڈاکٹر اور مشرقی طب کے ماہر ڈاکٹر محمد نوید کے بقول 'یہ کیلشیم، فاسفورس، فولاد اور میگنیشیم جیسے غذائی اجزا کا ذخیرہ ہے جو قوت مدافعت بڑھانے، جگر صاف کرنے، قبض دور کرنے، بلغم نکالنے اور دار چینی ملا گڑ ماں کی چھاتیوں میں دودھ بڑھانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔' مگر کراچی کی آغا خان یونیورسٹی کی ڈاکٹر سارہ ندیم کا کہنا ہے کہ شوگر یا ذیابیطس ہونے کی صورت میں گڑ کا استعمال بہر حال خطرہ ہے۔
وہ کہتی ہیں کہ 'ذیابیطس کا شکار جسم چینی اور گڑ میں تمیز نہیں کرتا۔البتہ گڑ کے ہاضمے کا عمل چینی کے مقابلے میں قدرے پیچیدہ ہے اس لیے ہو سکتا ہے کہ خون میں شکر کی مقدار میں اضافہ دیر سے ہو مگر آخر کار ہو گا ضرور۔' اس لیے شوگر کے مریضوں کو دوسری میٹھی چیزوں کے ساتھ گڑ سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔
گڑ میں موجود دوسرے غذائی اجزاء کے بارے میں ان کا کہنا ہے ان کی بدن کو درکار مقدار کے لیے بہت زیادہ گڑ کھانا ہو گا۔ڈاکٹر سارہ کے خیال میں 'گڑ میں موجود فولاد ممکنہ طور پر اس کڑاہی سے شامل ہو جاتا ہو جس میں گنے کا رس پکایا جاتا ہے۔' تاہم پاکستان میں گڑ کی ثقافتی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔یہ ایک غذائی جنس سے زیادہ ایک سوچ ہے جس کے مطابق یہ بیماریوں کو ٹھیک کرتی ہے، نزلہ زکام ٹھیک کرتی ہے اور بدن میں فوراً توانائی پیدا کرتی ہے۔
یہ سوچ بہت گہری ہے اور نسل در نسل منتقل ہو رہی ہے۔میری بیٹی نے جو پہلی مٹھاس چکھی وہ گڑ تھا اور میں جانتی ہوں جب بھی اسے نزلہ ہو گا میں اس کے لیے گڑ ملا پر اٹھا دوں گی، بالکل ویسے جیسی میری ماں نے میرے لیے کیا اور ان کی ماں نے ان کے لیے۔

❁❁❁

وقت بدلا ہے فقط، ہیں سبھی حالات وہی

م م محمودؔ

وقت بدلا ہے فقط، ہیں سبھی حالات وہی
گرچہ انساں ہیں نئے مُو بمُو عادات وہی
گو در و بام پہ فانوس سجائے پُر نور
پر دروں خانہ رہی ظلمت و ظلمات وہی
محض اک دستِ گدائی ہے جو تبدیل ہوا
فیض و فیّاض وہی کاسہ و خیرات وہی
قاضیِ شہر نے پھر اذنِ رہائی نہ دیا
اُس کی پرسش بھی وہی میرے جوابات وہی
ہم سے اگلے بھی یہیں بسملِ معصوم ہوئے
گو ہے صیاد الگ، دام جدا، گھات وہی
جس تکبّر نے کئی شاہوں کو نابود کیا
ہے عجب خودسری دہراتے ہو پھر بات وہی
سازشِ قتل میں میری جو مددگار تھے کل
سینہ زن نوحہ سرا آج ہیں حضرات وہی
حاذق الملک جنہیں سمجھے تھے تم، وہ تو خود
بسترِ مرگ پہ ہیں نیز ہے اوقات وہی
ہم نے چاہت سے بڑی شہر بسائے تھے یہاں
تم نے نفرت سے بنا ڈالے خرابات وہی
اک فقط ذات و نسب وجہِ تعلّی تو نہیں
نقشِ پا پر جو چلے سیّد و سادات وہی
تم نے محمودؔ کے افکار سبھی سن بھی لیے
حیف صد حیف کہ جاری رہیں حرکات وہی

❁❁❁

پکوان

تندوری مرغ کی کہانی

تحریر: سلمیٰ حسین- ماہر طباخ، دہلی

ہندوستان میں تندور کی موجودگی تین ہزار سال قبل مسیح سے پائی جاتی ہے۔

گوکہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تندور وسط ایشیا، ایران یا افغانستان کی ایجاد ہے لیکن موہن جو داڑو میں کھدائی کے دوران پائے جانے والے چھوٹے مٹی کے چولھے جو عصر حاضر کے تندور سے بہت مشابہت رکھتے ہیں، اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہندوستان میں تندور زمانہ ماقبل سے موجود تھا۔ فارسی کی ایک لغت میں تندور کو چھ ہزار سال قبل کی دریافت بتایا گیا ہے۔ المختصر تندور کسی ایک ملک کی ملکیت نہیں بلکہ کئی ممالک کی تاریخ کا حصہ ہے اور دنیا کے ہر حصے میں کسی نہ کسی شکل میں پایا جاتا ہے۔

تندور میں کھانا پکانا ایک اچھوتا تجربہ ہے۔ تندور میں پکی روٹیوں اور کباب کا اپنا الگ ہی مزہ ہے۔ پہلے پہل تندور صرف روٹی بنانے کے کام میں لایا جاتا تھا لیکن آہستہ آہستہ تندور کا کام بڑھتا گیا اور وہ مزیدار گوشت، مرغ و مچھلی کے کبابوں کے علاوہ سبزیوں کو مختلف طریقوں سے بنانے کے کام آنے لگا۔ دھوئیں کی ہلکی ہلکی مہک ان کھانوں کی جان ہے۔ ان میں پکائے کھانوں کی اوپری سطح سرخ اور کراری ہوتی ہے لیکن اندرونی حصہ خوب نرم اور ملائم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ان پر لگے مصالحوں کی ہلکی مہک اشتہا انگیز ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ مغل بادشاہ جہانگیر اپنا تندور ساتھ لے کر چلتا تھا یعنی اس زمانے میں بھی پورٹیبل تندور موجود تھے۔ مغل بادشاہوں کے شکار کردہ جانور زمین دوز تندور میں پکائے جاتے تھے۔

اس وقت کے زمین دوز تندور بمشکل راجستھان کے گاؤں میں اتفاقاً نظر آجاتے ہیں ورنہ مٹی کے بنے تندور اب ہر جگہ مروج ہیں جبکہ عصر حاضر میں جدید قسم کے بجلی اور گیس کے تندور بھی کافی مقبول ہیں۔

ہندوستان میں دلی سلطنت کے عہد حکومت میں امیر خسرو تندور میں بنی روٹی نان تندوری کا ذکر کرتے ہیں جبکہ آئین اکبری میں بھی تندور کا ذکر ملتا ہے۔ 16ویں صدی کے وسط میں گرونانک نے سکھ مذہب کی بنیاد رکھی اور نسل و ذات پات کے امتیازات کو مٹانے کے لیے سانجھا چولھا یعنی مشترک چولھے کو فروغ دیا۔ سانجھا چولھا ہر محلے میں ہوا کرتا تھا جہاں لوگ جمع ہو کر اپنی اپنی روٹیاں بناتے تھے اور آپس کا میل جول بڑھاتے تھے۔ دراصل سانجھا چولھا اتحاد کا پیغام تھا۔ انگریز تندوری کھانوں کے شوقین نہیں تھے لیکن ہندوستان کی آزادی کے بعد پنجاب سے آنے والے پناہ گزینوں نے دلی کو ایک نیا تحفہ تندوری کھانا دیا جو آج دنیا بھر میں اپنی شہرت رکھتا ہے۔ پشاور سے آنے والے کندن لال گجرال نے دلی کے دریا گنج علاقے میں موتی محل نام کا ریستوران شروع کیا جہاں صرف اور صرف تندوری کھانا بنایا جاتا تھا اور تندوری مرغ انھی کا خاصہ تھا۔

ان کے پوتے نے ایک ملاقات کے دوران تندوری مرغ کی ابتداء کا دلچسپ قصہ بیان کیا۔

تقسیم ہند سے قبل کندن لال پشاور کے ایک چھوٹے سے ریستوران میں بطور باورچی کام کیا کرتے تھے۔ ایک دن مالک کی فرمائش پر ایک نئے قسم کا مرغ تیار کیا جو ہلکے مصالحوں کے ساتھ اور بغیر روغن کے تندور میں سینکا گیا جو بے حد لذیذ تھا اور یہ خوان تندوری مرغ کے نام سے ریستوران کے کھانوں کی فہرست میں شامل ہو گیا۔

تقسیم ہند کے بعد کندن لال اہل وعیال کے ساتھ دلی آ گئے اور کچھ دن پناہ گزین کیمپ میں گزارنے کے بعد دریا گنج علاقے میں وہ ایک چھوٹی سی جگہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے جہاں انھوں نے موتی محل نامی ریستوراں کھولا اور اس طرح دلی میں تندوری کھانوں کی بنیاد پڑی۔ چند ہی روز میں موتی محل کے تندوری مرغ نے وہ شہرت حاصل کی کہ ہر خواص و عام موتی محل کا شیدائی ہو گیا۔ جواہر لعل نہرو، شاستری جی، اندرا گاندھی، راجیو گاندھی الغرض سیاسی میدان کا کوئی ایسا فرد ہو گا جس نے موتی محل کا رخ نہ کیا ہو۔

تندوری مرغ پکانے کی ترکیب

مرغ- 600 یا 700 گرام (کھال اتارا ہوا)، (1) لیموں کا رس ڈیڑھ کھانے کا چمچہ، پسی ہوئی لال مرچ ایک چائے کا چمچہ، نمک ایک چائے کا چمچہ۔

(2) دہی آدھی پیالی، پسا ہوا لہسن ایک کھانے کا چمچہ، ادرک ایک کھانے کا چمچہ، کالا نمک نصف چائے کا چمچہ، گرم مصالحہ ایک چائے کا چمچہ۔ کسوری میتھی نصف چائے کا چمچہ۔

مرغ کو خوب اچھی طرح دھو کر ایک صاف کپڑے سے پونچھ لیں، تیز نوک دار چھری سے مرغ کے سینے اور ران پر کچوکے دیں۔

پہلے ایک نمبر کے مصالحوں کو ملا کر اچھی طرح مرغ پر مل دیں پھر ایک گھنٹے بعد دو نمبر کے مصالحوں کو ملا کر مرغ پر اچھی طرح لیپ دیں۔ مرغ کو ان مصالحوں میں تین گھنٹے تک پڑا رہنے دیں تاکہ مصالحے ان میں بخوبی جذب ہو جائیں۔

اب مرغ کو لمبی سیخ میں لگائیں اور پانچ سے چھ منٹ تک تندور میں سینکیں۔ تندور بہت گرم نہ بہت ٹھنڈا ہو۔ آنچ درمیانی ہونی چاہیے۔ سینکتے ہوئے مرغ پر تیل لگاتے جائیں ورنہ مرغ خشک رہ جائے گا۔

مرغ تیار ہے تو سردی میں لذیذ تندوری مرغ کے مزے لیں۔

☆سلمیٰ حسین کھانا پکانے کی شوقین، ماہر طباخ اور کھانوں کی تاریخ نویس ہیں۔ ان کی فارسی زباندانی نے عہد وسطیٰ کے مغل کھانوں کی تاریخ کے اسرار و رموز ان پر کھولے۔ انھوں نے کئی کتابیں بھی لکھی ہیں اور بڑے ہوٹلوں کے ساتھ فوڈ کنسلٹنٹ کے طور پر بھی کام کرتی ہیں۔ سلمیٰ حسین ہمارے لیے مضامین کی ایک سیریز لکھ رہی ہیں۔

❁❁❁

مدیرہ کی ڈاک

ضروری وضاحت: محدود صفحات کے باعث مدیرہ کی ڈاک میں تبصرے چیدہ چیدہ شائع کئے جاتے ہیں۔ بہت سارے تبصرے میل اور واٹس اَپ کے ذریعہ موصول ہوتے ہیں۔ ادارہ سب کو شائع کرنے سے قاصر ہے۔ ان تمام خواتین وحضرات کا ہم تہہ دل سے مشکور ہیں جو ہماری حوصلہ افزائی اور پسند کرتے ہیں۔

مکرمہ محترمہ مدیرہ صاحبہ، ماہنامہ آبگینے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ !امید ہے آپ خیریت سے ہونگی۔ چند ماہ قبل آپ کے رسالہ سے تعارف ہوا اور تب سے ہر ماہ باقاعدگی سے پڑھنے کا موقع مل رہا ہے۔خواتین کی آوازوں اور تحریرات کی ترجمانی کے اس شاندار اور قابلِ تعریف ذریعہ کو بہت سے معلوماتی اور ادبی جواہر سے مزین پایا... اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی ساری ٹیم کو مزید قوت وفراست سے لیس کرے۔ اس رسالہ کے لیئے ایک نہایت ادنیٰ کاوش پیشِ خدمت ہے۔ امید ہے کہ آپ اسے اپنے ڈائجسٹ کی زینت بننے کے قابل پائیں گی۔ بہت سی نیک تمناؤں کے ساتھ۔ مصباح احمد-میو نحین گلاڈباخ-جرمنی

❁❁

السلام علیکم! آبگینے سلسلہ کے تمام شمارے بہت شوق سے پڑھتی ہوں تمام مضامین و انتخابات نہایت عمدہ اور معیاری ہوتی ہیں۔ یہ میگزین واقعی بہت دلچسپ اور پرلطف ہے دعا ہے کہ یہ رسالہ روز بروز ترقی کی منازل طے کرتا چلا جائے آمین

جمیلہ مشتاق سیالکوٹ

❁❁

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! تمام آبگینے ٹیم کے لئے دلی دعائیں کہ ہر ماہ ہمارے ذوق کی تسکین کے لئے ایک نہایت معیاری میگزین تیار کرتی ہے۔ بہت اعلیٰ ومعیاری رسالہ نہایت عمدہ شیئر نگز جزاک اللہ مسرت چوہدری جرمنی

❁❁

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ! کیسی ہیں آپ، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ بخیر وعافیت ہوں۔ آپ کے رسالے کا کل کے مشاعرے سے تعارف ہوا۔شوکت نے میری فرمائش پہ دو رسالوں کا لنک بھیجا۔ ایک کی تورات کو مشاعرہ کے بعد ہی ورق گردانی کر لی، دوسرے کی ابھی صبح، صبح نماز، قرآن کے بعد۔ واقعی میں بہت دلچسپ شمارے ہیں۔ کل کا مشاعرہ بھی بہت خوب تھا۔ بہت مزہ آیا سن کے، خوب انجوائے کیا۔ اپنے 1981 کے سکول گروپ کو بھی لنک بھیجا۔ وہ بھی محظوظ ہوئیں۔ ایک ہی نشست میں اتنی ڈھیر ساری پیاری شاعرات کو سن کر وارے ہی نیارے ہو گئے۔ ایک سے بڑھ کر ایک پایہ کا کلام تھا۔ اللہ کرے سب کے لئے زورِ قلم اور زیادہ۔ خاص طور پر امتہ الباری ناصر صاحبہ کو لائیو سن کر بہت اچھا لگا۔ میں انکی بہت پرانی نادیدہ فین ہوں۔ تمام ہی شاعرات کا کلام بہت خوب صورت تھا اور ترنم مسحور کن، دونوں میز بان شاعرات کے تخفے سونے پہ سہاگے کا کام کر رہے تھے۔ تمام ٹیم نے بہت محنت سے تیاری کی تھی۔ آپ کی وساطت سے سب کا شکریہ۔ امید ہے کہ آئندہ بھی ایسے اچھے پروگرام مزید یکھنے کو ملتے رہیں گے، جزاک اللہ۔ دعاؤں میں یاد رکھیں

والسلام خاکسار مبارکہ شاہین-ڈار مشٹڈ، جرمنی

❁❁

السلام علیکم! میں ان سب بہنوں کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جنہوں نے میرے کلام کو پسند کیا اور محبت بھری داد دی۔ اتنے بڑے بڑے ناموں کے ساتھ ایک ہی محفل میں شامل ہونے کا اعزاز دینے کا بہت شکریہ پیاری مدثرہ جی اور حمیرا جی میں نے سارے پروگرام کو بہت انجوائے کیا اور سب کے کلام سننے کا بہت مزا آیا ماشااللہ اتنی خوبصورت آوازیں، انداز بیاں اور بے حد پیاری میزبانی سونے پہ سوہاگہ تھی۔ اللہ تعالیٰ سب کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے اور اس طرح کے شاندار پروگرام کرنے کی توفیق عطا کرتا رہے آمین ثم آمین منزہ خیام

❁❁

مدثرہ جی کیا حال آپ کا؟! اصل میں تو مشاعرہ آپ نے لُوٹا ہے zoom اور you-tube کے لنکس پہ ماشاللہ بے شمار اہلِ ذوق کی حاضری اور مشاعرے کی پسندیدگی کا اظہار اس کا ثبوت ہے امتہ المنان صبا ناروے

❁❁

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ! کل مشاعرہ سنا بہت اچھا لگا۔ اتنے اچھے مشاعرے پر آپ کو اور آپکی ٹیم کو پہلی مرتبہ اس پیمانے پر اتنا خوبصورت پروگرام اس کامیابی سے منعقد کرنے پر انتہائی مبارکباد۔۔سب بہنوں کی کاوشوں کو سن کر بہت اچھا لگا۔ معذرت کہ بہت زیادہ طویل ہونے کی وجہ سے پورا مسلسل نہیں سن سکی لیکن پھر بھی 3-4 گھنٹے تک تو سنا پھر اسکے بعد وقفے وقفے سے سنا۔ نظامت اور پیشکش بہترین تھی۔ اللہ تعالیٰ یونہی آپکو مزید اس سے بھی بہتر پروگرام منعقد کرنے کی توفیق اور ہمت دے۔ امین۔ ایک دفعہ پھر ڈھیروں مبارکباد اور دعائیں کہ اتنا اچھا پروگرام پیش کیا۔ جزاک اللہ حمیرہ ناصر شارجہ

❁❁

خوب صورت اور کامیاب محفل مشاعرہ کے انعقاد پر دلی مبارکباد قبول فرمائیں ۔ماشاءاللہ بہت خوبصورت پروگرام رہا۔ آپ کی محبتوں کے دل سے سپاس گذار ہوں سدا سلامت رہیں خوش رہیں آمین بشارت سکھی

❁❁

ماشاءاللہ مشاعرہ زبردست تھا بہت مزا آیا۔ سب شعراء کے کلام شاندار تھے۔ آپکی ٹیم بہت مبارکباد کی مستحق ہے سب ٹیم کو تمام شعراء کو آپکو شاندار خراج عقیدت پیش کرتی ہوں منصورہ حلیم کینیڈا

❁❁

ماشااللہ خُوب خُوب مشاعرے کی محفل بہت خوب رہی جزاکم اللہ

سلیمہ منور

❁❁

السلام علیکم! مشاعرہ بہت اچھا لگا۔ اپ لوگوں کی محنت نظر آئی۔ اور کافی دھوم رہی اس

مشاعرے کی۔ اللہ مزید کامیابیاں عطا فرمائے آمین   فوزیہ منصور

❁❁

آداب و تسلیمات! کامیاب ریکارڈ طویل ترین مشاعرہ پیش کرنے پر کی گہرائیوں سے مبارکباد اور دعائیں   برکت ناصر کراچی

❁❁

السلام علیکم رحمتہ اللہ وبرکاتہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو جزائے خیر دے۔ بہت دلربا و بہ محفل تھی ماشاءاللہ آپ نے جو محبت بھرا سلوک میرے ساتھ کیا زندگی بھر نہیں بھولوں گی آپ سب ہمیشہ میری دعاؤں میں رہیں گے جزاک اللہ تعالیٰ

دل میں لئے پھرتے ہیں وہ یادیں ہم   کہ لکھ سکتے ہیں یادوں پہ کتابیں ہم

شازیہ زاہد

❁❁

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! بہت بہت مبارک ہو آپ نے بہت بڑا اور بہت اچھا کامیاب کام کیا ہے یہ معمولی کام نہیں اتنے گھنٹے اتنے لوگوں کو اکٹھا کرنا سنبھالنا اور بولنا لیکن آپ نے کر کے دکھایا اور بہت اچھا دکھایا اللہ آپ کو جزائے خیر دے آمین ماشاءاللہ بہت خوبصورت اور اچھا پروگرام تھا۔ سدا خوش رہیں۔

صفیہ سامی

❁❁

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! مشاعرے کا دن میرے لئے بہت خوشی کا دن تھا ماشاء اللہ بہت سی منجھی ہوئی شاعرات سے ملاقات ہوئی۔

سورج اب نہیں ڈوبے گا، مستقبل سنہرا ہے

ہر شاعرہ نے متاثر کیا۔ اپنے اپنے رنگ میں کمال کے اشعار تھے اور ترنم والی شاعرات نے تو جادو کر دیا۔ جتنی تعریف کریں کم ہے۔ سب کے لئے جذبات تشکر اور تحسین و آفریں... منتظمات کی محنت وصول ہوئی۔ تادیر یہ مشاعرہ یاد رہے گا۔ خاکسار کے لئے جذبات محبت ایک نعمت ہیں۔ الحمد للہ آپ سب کے لئے جزائے خیر کی دعا۔

امتہ الباری ناصر

❁❁

پیاری مدثرہ جی حمیرا جی! مشاعرے کے سحر سے تو ہم باہر نکل ہی نہیں پا رہے۔ پیاری باری آپا کی موجودگی نے محفل کو چار چاند لگائے۔ اللہ تعالیٰ اس علم کے خزانے کو سلامت رکھے خوش و آباد رکھے۔ آمین

پیاری حمیرا جی اور آپکی نظامت بہت کمال تھی۔ اور عالمی سطح کی عظیم شاعرات۔ ماشاءاللہ مشاعرہ بہت دلچسپ اور ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔ ماشاءاللہ ایک سے بڑھ کر ایک عظیم شاعرہ اور خوبصورت اور حسین و مترنم اور تحت اللفظ شاعری۔ واااااہ وااااہ اور وااااہ مزا آ گیا۔ بلاشبہ اتنے بڑے لیول پہ بہترین انتظام کے ساتھ اتنا کامیاب مشاعرہ منعقد کرانا آپ کی اعلیٰ صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان صلاحتوں میں اور نکھار پیدا فرمائے۔ آمین سب کے لئے آپ کی تیاری! مدثرہ جی کی محنت بلکہ عرق ریزی! ماشاءاللہ قابل تحسین و قابل داد ہے۔ اتنا لمبا مشاعرہ مگر بہت منظم۔ پیاری حمیرا جی آپ نے اور مدثرہ عباسی نے جس مہارت سے اتنے خوبصورت طویل پروگرام کو کنٹرول کیا ہے۔ قابل فخر کارنامہ ہے۔ میرے خیال میں آن لائن مشاعروں میں ایک نئی تاریخ رقم ہوئی ہے۔ آپ دونوں ناظمات نے ہر شاعرہ کے لئے تحفہ جو اشعار تھے وہ بھی لاجواب تھے۔ مشاعرے کا خوشکن پہلو پوری دنیا سے ذہین و فطین احمدی شاعرات کا اجتماع تھا۔ پوری دنیا سے سب ممبرات وقت کے فرق کے باوجود ہمہ تن گوش بیٹھی سن رہی تھیں اور لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ یوٹیوب پہ ساتھ ساتھ بہت بہترین کمنٹس بھی آ رہے تھے یقین مانیے ایسے ہی لگ رہا تھا کہ ہم لائیو اکٹھے ہال میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ چشم تصور سے میں تو سب کو سجا سنورا ہوا تیار دیکھ رہی تھی۔ اس کرونا کے پر آشوب دور میں جماعت پہ خدا کے جو افضال ہیں۔ ہم انکا شکر ادا کر ہی نہیں سکتے۔ الحمد للہ علی ذالک۔ سب انتظامیہ حمیرہ جی مدثرہ جی دل کی گہرائیوں سے ڈھیروں مبارک باد کی مستحق ہیں۔ آخر پہ حمیرہ جی اور مدثرہ جی نے خوب سماں باندھا۔ جی باغ و بہار ہو گیا۔ ماشاءاللہ سب شاعرات کا کلام قابل تحسین تھا۔ بحر کیف جتنا اچھا مشاعرہ تھا الفاظ کی کمی۔ اپنی کم مائیگی پہ افسوس ہو رہا ہے۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

آبگینے زندہ باد مدثرہ جی حمیرا جی پائندہ باد۔ ہماری بزم سخن ورزندہ و پائندہ باد

منزہ سلیم از جرمنی

❁❁

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ پیاری حمیرا جی۔ سلامت رہیں۔ ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہیں

کل کے مشاعرے میں شرکت کر کے دلی مسرت ہوئی۔ سب سکھیوں کی پیاری باتیں، خوبصورت کلام سن کر بہت اچھا لگا۔ بہت عرصہ کے بعد باری جی، فوزیہ جی، بشریٰ بختیار جی، اور مدثرہ جی کی آوازیں سنیں۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے اس مشاعرے میں ہی کہیں آپ کے آس پاس موجود ہیں آپ نے اپنی ذمہ احسن طریقے سے نبھائی۔ اس پروگرام کی کامیابی کے لیے بہت مبارکباد۔   امتہ الرشید آزاد کشمیر

❁❁

سلام اور دلی مبارکباد، کامیاب اور مردوں پر سبقت لیجانے والا مشاعرہ منعقد کیا۔ اللہ آپکی صلاحیتوں کو اور زیادہ بڑھائے اور خدمت دین میں قدم ہمیشہ آگے ہی بڑھتا رہے۔ مسز امۃ الکریم اکرم ملک

❁❁

ہمارے مشاعرے کی تو بہت دھوم مچی ماشاءاللہ یہاں آسٹریلیا سے لوگوں نے بتایا کہ وہ بھی شامل تھے کچھ نے بعد میں سنا اور بہت پسند کیا۔ بہت مبارکباد مدثرہ جی

نفیسہ محمود۔ آسٹریلیا

❁❁❁

آئیں اردو سیکھیں

مدثرہ عباسی اردو/انگریزی ٹیچر فار ن اینڈ کامن ویلتھ آفس UK

Domain: Social

Simple Past & continuous.

You have learned simple past in previous lessons. Here in this lesson we are focusing, "Past continuous".

Sentence Order in English: انگریزی میں جملے کی ترتیب subject + was +verb+ ing.

Sentence order in Urdu: اردو میں جملے کی ترتیب Subject +verb +raha /rahi/rahei+ tha/thee/thei.

Masculine singular	Feminine singular	Plural+ group of mix gender	Feminine Plural
رہاتھا	رہی تھی	رہے تھے	رہی تھیں

ماضی جاریہ کے چند جملے درج ذیل ہیں۔ ہم جو فعل استعمال کر رہے ہیں، وہ ہے: "جانا"۔

1st person

Masculine singular	Feminine singular	Plural+ group of mix gender	Feminine Plural
میں جارہاتھا	میں جارہی تھی	ہم جارہے تھے	ہم جارہی تھیں

2nd person

(For respect) تم جارہے تھے، آپ جارہے تھے	(For respect) تم جارہی تھی، آپ جا رہی تھیں	آپ جارہے تھے	آپ جارہی تھیں

3rd person

وہ جارہاتھا	وہ جارہی تھی	وہ جارہے تھے	وہ جارہی تھیں

درج ذیل جملوں میں نیلے رنگ میں ماضی ہے یعنی "کام ہوا" اور لال رنگ میں ماضی جاریہ ہے یعنی بیان کے مطابق کام ہو رہا تھا (2)

1-I was walking down the road when I saw a lady, who was gardening in her garden.

Urdu: میں سڑک پر چل رہی تھی جب میں نے ایک عورت کو دیکھا جو اپنے باغ میں باغبانی کر رہی تھی۔

2-Sara was talking on her mobile phone all the time when she waited in the queue.

سارہ جب قطار میں کھڑی تھی تب سارا وقت اپنے موبائل فون پر باتیں کر رہی تھی۔

3-When you rang last night, was she doing her homework?

کل رات کو جب آپ نے مجھے فون کیا، کیا وہ اپنا ہوم ورک کر رہی تھی؟

4-We were watching the 9 O' clock news on television when someone rang the door bell.

جب کسی نے دروازہ بجایا، ہم ٹیلیوژن پر 9 بجے کی خبریں دیکھ رہے تھے۔

بجانا۔ دستک دینا۔ کھڑ کھڑانا۔To knock

5-Aslam bought this vase while he was living with my family in Mexico.

اسلم نے یہ گُلدان خریدا جب وہ اپنی فیملی کے ساتھ میکسیکو میں رہ رہا تھا۔

6-They were waiting outside the cinema when we arrived there.

جب ہم وہاں پہنچے تو وہ سینما کے باہر انتظار کر رہے تھے۔

7-I was amazed when I called to see Ahmad, he was washing the dishes while Alia was watching TV!

میں حیران تھی جب میں احمد کو ملنے گئی، وہ برتن دھو رہا تھا جبکہ عالیہ ٹی وی دیکھ رہی تھی

8-Were you driving the car when accident happened?؟ جب یہ حادثہ ہوا؟ کیا آپ گاڑی چلا رہے تھے؟

حادثہ ہوا اور پیش آیا Occur

9-The sun was shining as soon we started our journey.۔ جیسے ہی ہم نے سفر شروع کیا، سورج چمک رہا تھا۔

Key words: Gardening: باغبانی کرنا Accident: حادثہ Journey: سفر To shine: چمکنا To wash: دھونا

Description of using when and so in one sentence:

جب... تو .... جو... وہ

جب آپ میرے گھر آئے تو میں خط لکھ رہی تھی۔

جب آپ نے مجھے دیکھا تو میں کتاب پڑھ رہا تھا۔

جب آپ بازار جائیں تو یہ خط پوسٹ کریں۔

جب ہم ہالینڈ گئے تو وہاں پھولوں کی نمائش دیکھی۔

"جو" اور "وہ" کا ایک جملے میں بیان اور

سوالات: کونسا، کس کا، کس نے، کِن کو، کِس کو

جوابات: اُن کو یا انہیں، اس کو یا اسے

کچھ مثالیں درج ذیل ہیں:

جو کل لڑکا آیا تھا وہ کہاں کا رہنے والا ہے؟ جو کتاب آپ پڑھ رہے تھے وہ کس نے لکھی ہے؟

آج کونسی فلم چل رہی ہے؟ Which

یہ کس کا فون ہے؟ whose

یہ فون میری دوست کا ہے جو میرے پاس بیٹھی تھی۔

یہ بچوں کی کتاب کس نے لکھی ہے؟

یہ کتاب صائمہ نے لکھی ہے جو سینٹ میتھیوز اسکول میں پڑھاتی ہے۔

وہ جو پاکستان سے دو سال پہلے آئی تھی؟ جی وہی صائمہ ہے۔

طوفان جو کچھ سال پہلے فلپائن میں آیا تھا، وہ بہت خطرناک تھا، جس میں ہزاروں لوگ ہلاک اور لاکھوں بے گھر ہو گئے تھے۔

یہ میں ہوں جِس نے اسلم کی بوتل توڑی ہے۔ وہ اسلم ہے جس نے غلط زاویہ پر رکھی تھی۔

یہ میری دوست عالیہ تھی جس نے مجھے فرانس کے بارے میں بتایا۔

ZINGMAAR
EASY TO FOLLOW
UNIQUE RECIPES FROM
AROUND THE WORLD
FOLLOW @ZINGMAAR

ISSUE
JUNE/JULY 2021
Vol-2 | Issue-11
SHAWWAL / ZIL QADAH
ZIL HAJJAH

AABGEENEI

MONTHLY KHAWATEEN DIGEST

An Educational and Literary Magazine For Social and Religious affairs

Under the supervision of
ABBASI ACADEMY

Editor
Mudessera Abbasi

Incharge of Gosha Adab **Humaira Nighat**	Incharge of Bacchon Ka Gulistan / Pakwan Eeshatur-Razia Abbasi	**Chief executive Mohiuddin Abbasi**